طلبِ دنیا......!

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○﴾ [هود: ۱۵،۱٦]

''جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی بہاریں چاہتے ہیں ہم ان کو ان کی کمائی کا بدلہ پورا پورا دیں گے اور وہ اس میں گھاٹے میں نہیں رہیں گے۔ یہی ہیں جن کے لیے آخر میں آگ کے سوا اور کچھ نہیں اور جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، اور ان کا کیا دھرا (سب) بے کار ہو گیا۔''

آیت میں مذکور طلبِ دنیا کی مذمت سے مراد دنیا کی ایسی طلب ہے جو ناجائز ہو اور طلب کرنے والے کو دین اسلام سے روکتی ہو، یعنی محض دنیا کے لیے اس کی زیب و زینت کا مطالبہ! تو ایسی طلبِ دنیا کی مذمت قرآن مجید میں اور احادیث مبارکہ میں کی گئی ہے۔

فرضیتِ روزے کا مقصد

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو محض متقی بنانے کی خاطر روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ روزہ ہمارے لیے بے شمار فوائد رکھتا ہے جن کی تفصیل کے لیے ایک دفتر کی ضرورت ہے، لہٰذا نہایت اختصار سے اس کی خوبیاں و حکمتیں مخالفین اسلام کو دکھائی جاتی ہیں کہ ہمارا اسلامی روزہ کتنی بڑی حکمت پر مبنی ہے:

۱: انسانی فطرت اس بات کو چاہتی ہے کہ نفس ہمیشہ عقل کے ماتحت رہے چونکہ روزے میں نفس کی کسی خواہش کی بھی پروا نہیں کی جاتی بلکہ اس کی ہر تمنا کو دبانا روزے دار کا اولین فرض ہوتا ہے، لہٰذا نفس امارہ عقل کی ماتحتی میں بہ خوشی کام کرنے لگ جاتا ہے۔

۲: انسان احسان فراموش واقع ہوا ہے۔ ہم دن رات اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے پیتے ہیں لیکن شکر گزاری کا نام تک نہیں لیتے۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ اگر کسی کی کوئی محبوب ومرغوب چیز کچھ عرصہ تک گم رہے تو اس کو اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ یہی حال روزہ دار کا ہے۔ سارا دن کھانا پینا متروک ہونے کی وجہ سے اس کو شام کے وقت قدر معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حقیقی شکر گزار بنا رہتا ہے۔

۳: چونکہ انسان کو روزے میں بھوکا پیاسا رہنا پڑتا ہے، اس لیے اس میں مساکین وفقراء کے ساتھ حقیقی مروّت وہمدردی کرنے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں کیوں کہ جن اُمراء نے کبھی بھوک پیاس دیکھی ہی نہیں وہ غرباء کے احوال سے کب آشنا ہو سکتے ہیں۔

۴: محبت واُلفت کے اس تقاضے کو ایک محبّ بہ خوبی جانتا ہے کہ جب یادِ محبوب اسے بے قرار کرتی ہے تو وہ کھانے پینے کو ترک کر دیتا ہے۔ دنیا کی دلکش سے دلکش چیزیں موجود ہوتی ہیں مگر محبّ کا دل کسی کو بھی نہیں چاہتا۔ یہی حال روزے میں روزہ دار کا ہے۔ حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی محبت اور عظمت حضرت انسان کو اَکل وشرب کا صحیح تارک بنا دیتی ہے۔

۵: جس طرح جسمانی صحت کے لیے اطباء نے بھوک پیاس کو مفید خیال کیا ہے، ایسا ہی زاہدوں اور عابدوں نے بھوک کو تزکیۂ نفس وصفائی قلب کے لیے اکسیر ثابت کیا ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیة

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

29 شعبان المعظم 1433ھ جمعة المبارک 20 تا 26 جولائی 2012ء

شمارہ 29 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

تُوبُوا اِلَی اللّٰہِ جَمِیعًا

حافظ احمد شاکر

رمضان المبارک پانے والے، اس میں مغفرت حاصل کرنے والے، اس میں والدین کی رضا حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کی نوید کا پروانہ لینے والے یقیناً وہ خوش قسمت مسلمان ہیں جن کے لیے جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے کی بشارتیں نبی ﷺ نے دی ہیں۔ ہم اپنے اپنے گھروں کو دیکھیں، خاندانوں کا تصور ذہن میں لائیں، عزیز و اقارب کی یادیں تازہ کریں یا ہمارے ذہنوں میں احباب کی باتیں جھلملائیں تو شمس و قمر کے طلوع و غروب کی طرح نتیجہ یہی سامنے آتا ہے کہ ع بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھیں ہیں

اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات، والمسلمين والمسلمات، الأحياء منهم والأموات.

موت دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور زندگی دنیا کی سب سے بے حقیقت چیز ہے۔ لیکن انسان ہے کہ سب سے بڑی حقیقت کو فراموش کیے رہتا ہے اور ناپائیدار حیات کی بودی بنیادوں پر زندگی کے محل تعمیر کرتا، خواہشیں بڑھاتا، امنگیں جوان کرتا اور خاکے بنا بنا کر ان میں تا دم واپسیں رنگ بھرتا رہتا ہے اور عموماً خواہشات پوری ہونے سے پہلے اس کی زندگی پوری ہو جاتی ہے اور پھر ع سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

خلاق عالم نے اپنی بہترین مخلوق انسان کو اپنی صفت رحیمیت سے جنت میں داخل کرنے کے لیے اور اس کی ان کمزوریوں اور جبلتوں کی اصلاح کے لیے انبیاء مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں اور اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق بشر کی تدریجاً تربیت فرماتا رہا اور آخر میں نبی آخر الزماں رحمۃ للعالمین محمد ﷺ کو مبعوث فرما کر ان کے دین کو آخری دین اور ان کی امت کو آخری امت قرار دے کر ان کی امت کے لیے جنت میں داخلے اور جہنم سے بچنے کے لیے ایسے معمولی معمولی اعمال کی خبر دی جس سے مسلمانوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ جنت کے حق دار بن جاتے ہیں۔ اذان کی فضیلت، وضو کرنے سے گناہوں کا جھڑ جانا، تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کی ادائیگی سے درجات کی بلندی، اسی طرح نماز با جماعت کا ستائیس گنا اجر، دن رات کی بارہ سنتوں کی فضیلت، تہجد کی برکت، صبح و شام کے مسنون اذکار کے التزام کی حسنات۔ رب کریم نے یہ سارے سامان، یہ سارے راستے اپنی سب سے اچھی مخلوق کو جنت میں داخلے کے لیے بتائے ہیں۔ حج کی ادائیگی کی فضیلت یہ بتائی کہ جو مسلمان توفیق الٰہی میسر ہونے پر احکام شریعت کے مطابق یہ فرض ادا کرے وہ حج کے بعد اس طرح پاک صاف ہو جاتا ہے جس طرح اس کی ماں نے اس کو آج ہی جنا ہے اور حرم شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر اور مسجد نبوی میں ایک ہزار نماز کے برابر ہونے کی نوید سنائی۔ اسی طرح مسلمانوں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے انعامات و اکرامات کا ایک بہت بڑا مظہر رمضان المبارک بھی ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس ماہِ مبارک کی فضیلتیں اس قدر ہیں جن کو دیکھ کر اپنے بندوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے پایاں رحمت و شفقت عیاں ہوتی ہے۔ رمضان المبارک کے بارے میں درج ذیل احادیث پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ رمضان المبارک کیا واقعۃً اعمال صالحہ، یعنی نیکیوں کے لیے فصل بہار نہیں؟ باد بہاری کے سکوں آور جھونکوں، طرب آمیز ہواؤں اور مغفرت سے معطر فضاؤں سے سوائے بدنصیبوں کے اور کون محروم رہ سکتا ہے! آیئے ذرا بشارت والی احادیث سے اپنی گناہ گار آنکھوں کو باصرہ نواز کر لیں:

- سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ مہینا جو تم پر آیا ہے اس میں ایک رات ایسی ہے جو (قدر و منزلت کے اعتبار سے) ہزار مہینے سے بہتر ہے، جو (شخص اس کی سعادت پانے) سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا اور فرمایا: لیلۃ القدر سے صرف بے نصیب ہی محروم رہتا ہے۔''

⊙ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں۔''

⊙ مسند احمد اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کے لیے سفارش کریں گے، روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور اپنی خواہشات (پوری کرنے) سے روکے رکھا، لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما۔ قرآن کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس بندے کو رات (قیام کے لیے) سونے سے روکے رکھا، لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما، چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔''

⊙ صحیحین ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بنی آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک (نیت اور خلوص کے مطابق) بڑھا کر دیا جاتا ہے لیکن روزے کے ثواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر میں ہی دوں گا۔ روزے دار اپنی ساری خواہشات اور کھانا پینا صرف میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزے دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں: ایک خوشی روزہ افطار کرتے وقت اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔ اور روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو کستوری کی خوش بُو سے زیادہ پسند ہے۔ فرمایا: ''روزہ (گناہوں سے بچنے کی) ڈھال ہے۔'' لہٰذا جب کسی کا روزہ ہو تو فحش گوئی اور بے ہودہ باتیں نہ کرے، اگر کوئی اسے بُرا کہے یا لڑنے کی کوشش کرے تو اسے کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

⊙ ایسے ہی ایک مشہور روایت میں ذکر ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دعا مانگی کہ جس نے رمضان پایا اور وہ اپنے گناہوں کی مغفرت حاصل نہ کر سکا تو وہ اللہ کی رحمت سے دور! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آمین۔

ذرا یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں اور اس چشمے سے اپنے حکم رانوں، سیاستدانوں اور اشرافیہ کو دیکھیں: صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے بلا عذر یا بلا مرض ایک روزہ بھی چھوڑا ساری عمر کے روزے بھی اس کا کفارہ ادا نہیں کر سکتے۔''

(منقول از روزوں کے مسائل، تالیف: مولانا اقبال کیلانی)

اب ماہِ صیام دیکھیے جس کی برکات بھی آپ نے احادیث کے ذریعے ملاحظہ فرمائیں اور پھر وعید بھی۔ وطن عزیز کے حکمرانوں، سیاستدانوں، بیورو کریٹس اور عوام کے اعمال، افعال بلکہ کرتوتوں پر غور کریں تو ہمیں نتیجہ بلکہ حل یہی سمجھ آتا ہے جس کی طرف نا مشرف حکومت کے آخری دنوں سے اب تک دردمند اور اصحابِ خیر توجہ دلا رہے ہیں کہ قوم کو اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں پر اجتماعی توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن افسوس ناک حیرت ہے کہ اس طرف کیا حکمران، کیا سیاستدان، کیا دور دور کی کوڑیاں لانے والے دانش ور کوئی اس طرف دھیان ہی نہیں دے رہا حتیٰ کہ منبر و محراب کی آوازیں بھی خاموش ہیں حالانکہ ان دگرگوں حالات کا احساس و ادراک جس قدر علماء کو ہوتا ہے اور ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تمام مسالک کے علماء اس متفق علیہ مسئلہ پر یکجا ہو کر عوام سے توبہ و استغفار کے لیے اپیل کرتے، ان کو گھروں سے نکال کر قوم کی اجتماعی کوتاہیوں کا احساس دلا کر ان کے جذبۂ عبدیت کو انگیخت دیتے، یقین کریں اس کے لیے تو کسی لانگ مارچ کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ باہم مشورے سے تمام مساجد میں ایک خطبہ جمعۃ المبارک میں توبہ و استغفار کی اہمیت کو اُجاگر کیا جاتا اور ملک کے دینی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور اقتصادی حالات کے تناظر میں عوام کو اس طرف توجہ دلائی جاتی تو ان شاء اللہ ایک ہی آواز پر مسلمان لبیک کہتے۔ اب رحمت و غفران کا ماہ مبارک آیا ہی چاہتا ہے، اب بھی علمائے کرام کو چاہیے کہ وہ حکمرانوں اور سیاستدانوں کو چھوڑ کر عام مسلمانوں کو اس کی رغبت دلائیں تو ان شاء اللہ وطن کے در و دیوار طلبِ استغفار اور رحمت کی التجاؤں سے گونج اٹھیں گے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت یقیناً جوش میں آ جائے گی اور یقین رکھیں کہ وہ اپنے بے نوا اور کمزور بندوں کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔ وہ تو ایسا سخی ہے جو مانگنے پر راضی ہوتا ہے اور نہ مانگنے پر ناراض! اس لیے دیر نہ کریں۔

درس قرآن

قسط نمبر ۳۲

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ﴾ پانی کے نتیجے میں زمین سے نکلنے والے دانوں، پھلوں، سبزیوں کو انسانوں نے نہیں بنایا بلکہ ان سب کو اللہ ہی نے بنایا ہے۔ پانی برسانے والا اور چشمے جاری کرنے والا بھی اللہ ہی ہے اور اس سے انواع واقسام کے دانے، پھل ترکاریاں پیدا کرنے والا بھی اللہ ہی ہے۔ اللہ کے علاوہ پانی کو جاری کرنے اور کھیتیوں کو پیدا کرنے میں کسی کا کوئی عمل دخل نہیں تو پھر وہ اللہ کا شکر کیوں نہیں کرتے۔ جمہور مفسرین نے "ما" کو نفی کے معنی میں لیا ہے۔ انسان بلاشبہ زمین کو پانی سے سیراب کرتا ہے، ہل چلاتا ہے، بیج بوتا ہے، خشک وخاشاک سے صاف کرتا ہے اور محنت کرتا ہے مگر اس بیج کی نرم ونازک کونپل کو زمین سے نکالنے والا، اسے پتوں اور شاخوں سے سجانے والا، ان کو پھول، پھل لگانے والا کون ہے؟ اسی حقیقت کی طرف اشارہ سورۃ الواقعہ میں یوں ہے:

﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝﴾ [الواقعة: ٦٣، ٦٤]

"کیا تم نے دیکھا جو کچھ تم بوتے ہو؟ کیا تم اُسے اُگاتے ہو یا ہم ہی اُگانے والے ہیں۔"

جب ان سب کو پیدا کرنے والا اللہ ہے، ان کے پیدا کرنے میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ ہم نے ہی تمھیں ان کا مالک بنایا ہے، کھانے پینے کا سلیقہ بھی بتلایا تو تم اس کا شکر کیوں نہیں کرتے۔ یہ سب دی ہوئی نعمتیں تو تم اللہ کی کھاؤ اور شکر کسی اور کا کرو، اس سے بڑی احسان فراموشی اور کیا ہوگی۔ کھانا کھانے کے بعد حسب ذیل دعا کا مصداق یہی ہے:

"الحمد لله الذي أطعمني هذا الطعام ورزقنيه من غير حول مني ولا قوة.

(أبوداود: ٤٠٢٣، ترمذي: ٣٤٥٨)

"تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور بغیر میری کسی طاقت اور قوت کے مجھے عطا کیا۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کھانے سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھتا ہے اس کے سابقہ (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ کھانے پینے کے بعد کی مزید ادعیہ مسنونہ کتب احادیث میں موجود ہیں، ان تمام میں اللہ کی حمد قدر مشترک ہے۔

امام ابن جریر اور دیگر بعض مفسرین نے یہاں "ما" کو موصولہ بمعنی "الذي" قرار دیا ہے۔ اس طرح آیت کا مفہوم یوں ہے: "تا کہ وہ کھائیں اس کے پھلوں اور ان چیزوں کو جو ان کے اپنے ہاتھوں سے تیار ہوتے اور بنائے جاتے ہیں۔" مثلاً: اچار، مربے، تیل چٹنیاں، سالن، حلوے وغیرہ۔ گویا اللہ نے پھل وغیرہ بھی دیے اور یہ سلیقہ بھی دیا کہ ایک پھل سے مختلف خوش ذائقہ اور مفید چیزیں تیار کرتے ہیں۔ یہ سلیقہ گویا دوسری نعمت ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس تفسیر کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں ﴿مِمَّا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ﴾ ہے، یعنی "ما" نافیہ نہیں ہے۔

اس تفسیر میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ دنیا میں باقی جان دار صرف ایک چیز کھاتے ہیں، کوئی پھل کھاتا ہے، کوئی گوشت کھاتا ہے، کوئی گھاس کھاتا ہے، کوئی دانے اور چارہ کھاتا ہے مگر انسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کھانے تیار کرنے کا سلیقہ دیا ہے۔ وہ مختلف اشیاء کو مرکب صورت میں تیار کرتا اور خوش ذائقہ بنا لیتا ہے اور نوش جان کرتا ہے اور ان متنوع مرکب کھانوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اللہ کی دی

ہوئی ان صلاحیتوں پر چاہیے تو یہ کہ وہ اللہ کے شکر گزار بنیں، آخر وہ شکر کیوں نہیں کرتے جب کہ حکم یہ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۝﴾ [البقرة: ۱۷۲]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا فرمائی ہیں اور اللہ کا شکر کرو، اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو۔''

یہی حکم سورۃ النحل (۱۱۴) میں ہے۔

﴿اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ﴾ یعنی ہم نے انھیں اتنی نعمتوں سے نوازا ہے تو وہ شکر کیوں نہیں کرتے۔ ''شکر'' کا اوّلین تقاضا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہی احسان مند ہوں جس نے ان کے لیے انواع واقسام کے اناج، باغات پیدا کیے، ان کے لیے چشمے جاری کیے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنے منعم ومحسن کو پہچانتے اور اس کے شکر گزار بنتے مگر اس کی نعمتیں کھا کے اور اس کے جاری کیے ہوئے چشموں کا پانی پی کر وہ ان کے شکر گزار بنتے ہیں اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں جنھوں نے ایک دانہ بھی پیدا نہیں کیا حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ہر سُو پھیلی ہوئی نعمتوں سے اللہ تعالیٰ ہی نے نواز رکھا ہے:

﴿یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝﴾ [النحل: ۸۳]

''وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔''

شکر صرف زبان سے نہیں بلکہ دل اور جوارح سے بھی شکر لازم ہے۔ دل کا شکر یہ ہے کہ انسان دل سے اس حقیقت کا اعتراف کرے کہ یہ نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وہ نعمتِ نفع ہو یا نعمتِ دفع ہو۔ اس کو اپنی قابلیت، اپنی محنت وکوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا نتیجہ سمجھے۔ زبان کا شکر یہ ہے کہ اس سے منعم کی حمد وثنا کرے، الحمد للہ، الحمد للہ کہے اور زبان سے اقرار کرے کہ تمام نعمتوں سے نوازنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جوارح سے شکر یہ ہے کہ انھیں اللہ کی عبادت میں اور اس کے واجبات کی ادائیگی میں لگائے رکھے۔ عبادت سے روگردانی کرنے والا شکر گزار نہیں ہوسکتا جیسا کہ ابتدائے سورت میں بھی ہم اشارہ کر آئے ہیں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۷۲]

''اور اللہ کا شکر کرو اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو۔''

حافظ ابن قیم نے فرمایا ہے کہ جو زبان سے شکر کرتا ہے مگر جوارح سے شکر نہیں بجا لاتا اس کی مثال یوں ہے کہ انسان کے پاس لباس ہو، وہ اسے کونے سے پکڑ لے مگر اسے زیب تن نہ کرے۔ وہ لباس اسے نہ گرمی سے بچا سکتا ہے نہ ہی سردی سے، نہ بارش سے نہ برف باری سے۔ (عدة الصابرين، ص: ۱۳۶)

اسی طرح اللہ کی نعمتوں کو انھی مصارف میں صرف کرے جہاں انھیں صرف کرنے کا حکم ہے۔ یہ بھی جوارح کا شکر ہے کہ نعمت کا اظہار اچھے لباس، اچھی سواری کے استعمال سے کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ جس کو نعمت دوں اس کا اثر بھی دیکھوں۔



درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: إذا أراد الله قبض عبد بأرض جعل له بها حاجة

اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی بندے کی روح قبض کرنا چاہتا ہو اس جگہ کے لیے اس کو کوئی ضرورت پڑ جاتی ہے

١٣١٨ . عن أبي المليح، عن رجل من قومه - وكانت له صحبة - قال: قال النبي ﷺ: ((إذا أراد الله قبض عبد بأرض جعل له بها حاجة.))

ابوالملیح کی قوم کے ایک آدمی نے، جو صحابی رسول تھے، روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی روح کو کسی جگہ پر قبض کرنا چاہتا ہو، اس جگہ میں اس کی کوئی ضرورت پیدا فرما دیتے ہیں۔ (جب وہ اپنی حاجت کے لیے وہاں پہنچتا ہے تو وہاں اس کو موت آ جاتی ہے۔)"

فائدہ: اس حدیث کا مضمون ترجمۃ الباب کے موافق ہے۔ اسی حوالے سے قرآن میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ "کوئی نفس نہیں جانتا کہ اُسے کس جگہ موت آئے گی۔" اکثر صحابہ جن کا وطن حجاز تھا لیکن بہ وجوہ مختلف وطن غیر میں ان کی وفات ہوئی، اسی طرح تابعین، تبع تابعین اور ائمہ صالحین اور علمائے راسخین وغیرہم کی وفات ہوئی۔ اللهم ارزقنا شهادة في سبيلك واجعل موتنا في بلد رسولك، آمين اللهم آمين.

باب: من امتخط في ثوبه

کپڑے کے ساتھ ناک صاف کرنا

١٣١٩ . محمد بن سيرين، عن أبي هريرة أنه تمخط في ثوبه، ثم قال: بخ بخ! أبو هريرة يتمخط في الكتان، رأيتني أصرع بين حجرة عائشة والمنبر، يقول الناس: مجنون وما بي إلا الجوع.

"حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ایک کپڑے کے ساتھ ناک صاف کیا پھر فرمایا: واہ جی واہ۔ ابوہریرہ کتان کے کپڑے کے ساتھ ناک صاف کرتا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ اور منبر کے درمیان غشی کی حالت میں پڑا دیکھا ہے۔ لوگ کہتے تھے: یہ دیوانہ ہے حالانکہ مجھ کو کچھ نہ تھا، مجھے صرف بھوک تھی۔"

فائدہ: ایک وہ وقت تھا کہ مارے بھوک کے بے ہوشی طاری رہتی تھی، کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا اور ایک یہ وقت ہے کہ بحمدہ تعالیٰ جامہ کتان سے آب بینی صاف کرتا ہوں۔

باب: الوسوسة

وسوسے کا بیان

١٣٢٠ . عن أبي هريرة: قالوا: يا رسول الله! إنا نجد في أنفسنا شيئا ما نحب أن نتكلم به وأن لنا ما طلعت عليه الشمس؟ قال: ((أو قد وجدتم ذلك؟)) قالوا: نعم، قال: ((ذاك صريح الإيمان.))

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ کچھ لوگوں

نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے دلوں میں ایسی چیزیں، یعنی وسوسے پاتے ہیں جسے ہم زبان پر لانا پسند نہیں کرتے اگرچہ ہم کو ہر وہ چیز مل جائے جو زمین میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم ایسی بات کو دل میں پاتے ہو؟'' انھوں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی صریح ایمان کی نشانی ہے۔''

١٣٢١ . عن شهر بن حوشب قال: دخلت أنا وخالي على عائشة فقال: إن أحدنا يعرض في صدره ما لو تكلم به ذهبت آخرته ولو ظهر لقتل به، قال: فكبرت ثلاثا ثم قالت: سئل رسول الله ﷺ عن ذلك؟ فقال: ((إذا كان ذلك من أحدكم فليكبر ثلاثا فإنه لن يحس ذلك إلا مؤمن .))

حضرت شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ میں اور میرے ماموں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی: ہمارے دل میں ایسی بات آتی ہے اگر اُس کو زبان پر لائیں تو اِس سے آخرت جاتی ہے، اگر اس کو ظاہر کریں تو قتل ہونے کا خطرہ ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا، پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے بھی اس کے متعلق پوچھا گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر تم میں سے کسی کو ایسی صورت پیش آ جائے وہ تین بار اللہ اکبر کہے کیوں کہ ایسی چیز کو سوائے مومن کے کوئی دوسرا محسوس نہیں کرتا۔''

١٣٢٢ . عن أنس بن مالك يقول: قال رسول الله ﷺ: ((لن يبرح الناس يسألون عما لم يكن حتى يقول: الله خالق كل شيء فمن خلق الله؟))

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ ہمیشہ ایسی چیزوں کے متعلق سوال کریں گے جو ہونے والی نہیں ہیں یہاں تک کہ یہ بھی کہیں گے: اللہ نے تو ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟''

باب: الظن

گمان کرنے کا بیان

١٣٢٣ . عن أبي هريرة أن رسول الله قال: ((وإياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تجسسوا، ولا تنافسوا، ولا تدابروا، ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا، وكونوا ـ عباد الله ـ إخوانا .))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بدگمانی سے بچو کیوں کہ یہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، ایک دوسرے کی (عیب جوئی کے لیے) جاسوسی نہ کرو، حرص نہ کرو، ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو، حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو اور اللہ کے بندوں آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔''

١٣٢٤ . عن أنس قال: بينما النبي ﷺ مع امرأة من نسائه إذ مر به رجل فدعاه النبي ﷺ فقال: ((يا فلان! هذه زوجتي فلانة .)) قال: من كنت أظن به فلم أكن أظن بك، قال: ((إن الشيطان يجري من ابن آدم مجرى الدم .))

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک بیوی کے پاس کھڑے تھے اچانک ایک آدمی وہاں سے گزرا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: ''یہ میری بیوی ہے۔'' اس آدمی نے کہا: میں گمان لوگوں کے ساتھ کرتا ہوں، آپ کے ساتھ تو نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان انسان کی رگوں میں خون کی گردش سے زیادہ دوڑتا ہے۔''

جــرعــات

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

حدیث پاک کی حجیت کا منکر اور حدیث پاک کو اسلامی قانون کا ماخذ تسلیم نہ کرنے والا طبقہ، جو خود کو اہل قرآن کہلاتا ہے، اپنی مطلب برآری کے لیے عموماً مجروح بلکہ موضوع روایت کو بہ طورِ حدیث استدلالاً بیان کرتا ہے: ''ہر حدیث کو قرآنِ حکیم پر پیش کرو، یعنی پرکھو، جو حدیث قرآن کے مطابق ہو اس کو تسلیم کرلو اور غیر موافق کو رد کردو۔'' اُس دور کے انکارِ حدیث کے پرچارکر ماہنامہ ''طلوعِ اسلام'' نے اس کو مغالطے بلکہ تحریف کے انداز میں اصول فقہ حنفیہ کی معروف کتاب سے نقل کر کے عام مسلمانوں کو فقہ حنفی کے پرویزی فکر سے ہم آہنگ ہونے کا دھوکا دینے کی جب کوشش کی تو مولانا رحمہ اللہ نے اس پر فوراً علمی گرفت فرمائی بلکہ اس موضوع حدیث کی تحقیق وتخریج اور علماء کے آراء نقل فرما کر یہ ثابت فرمایا کہ یہ اس دین گریز طبقے کا صریحاً دجل ......فریب ...... ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اداریے میں اس موضوع حدیث کا پوسٹ مارٹم۔ (احمد شاکر)

عجیب بات ہے کہ منکرینِ حدیث ایک طرف تو حدیث پاک کے حجیت دینی، اسلامی قانون کا ماخذ اور اس کے محفوظ ہونے سے صاف انکار کرتے ہیں لیکن دوسری طرف ٹٹول ٹٹول کر اپنے مطلب کی روایتیں پیش بھی کرتے رہتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ جس حدیث کو حاملین وماہرین فن حدیث نے تحقیق وتنقید کی چھلنی میں چھان کر ٹکسال باہر کیا ہو، زیادہ تر اسی قسم کی روایتوں کو یہ طبقہ زیادہ اچھالتا ہے، چنانچہ لاہور کا ''ادارۂ ثقافت'' اور اس کا ''برادر بزرگ''؛ ''ادارہ طلوعِ اسلام'' آئے دن اس کا ثبوت مہیا کرتے رہتے ہیں۔

رسالہ ''طلوعِ اسلام'' (نومبر ۵۸ء) نے پہلے صفحے پر نمایاں طور سے ایسی ہی ایک روایت نقل کی ہے اور حنفی اصول فقہ کی ایک کتاب کا حوالہ دے کر اپنے ناظرین کو باور کرانا چاہا ہے کہ فقہ حنفی بھی اس کے باطل نظریات کی ہم آہنگ ہے۔ اور یوں اپنی مساعِی انکار وتردیدِ حدیث کو ہلکا اور محدود کرنے کی ناکام کوشش ہے۔

وہ روایت یہ ہے:

((یکثر لکم الأحادیث من بعدي فإذا روي عني حدیث فاعرضوه علی کتاب الله فما وافق فاقبلوه وما خالف فردوه.))

افسوس ہے علم وتحقیق کے ان مدعی حضرات کا یہ وتیرہ نہ تحقیقی ہے نہ علمی۔

جواباً گزارش ہے:

۱: آپ لوگ حدیث پاک کی حجیت، ثبوت اور ماخذ قانون شرعی ہونے کا صریحاً اور فخراً انکار کرتے ہیں جس پر آپ کا لٹریچر گواہ ہے۔ مگر حنفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم حدیث شریف کو قانون اسلامی کا دوسرا ستون نہ صرف یہ کہ مانتے ہیں بلکہ اس ماننے کو ایمان کا جزو جانتے ہیں جس پر فقہ حنفی اور اس کا اصول شاہد عدل ہے۔ اندریں حالات یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ آپ کا ان کو اپنے ساتھ گھسیٹنا صریح مغالطہ اور ناروا جسارت ہے۔

۲: یہ روایت ''توضیح'' میں خبر واحد اور قرآن کے مزعومہ معارضے کے سلسلے میں ذکر کی گئی ہے مگر ''تلویح'' حاشیہ ''توضیح'' میں اس پر تنقید کر کے ناقابل اعتبار بھی اس کو قرار دے دیا گیا ہے۔

''طلوعِ اسلام'' کی دیانت کا یہ حال ہے کہ اس نے نقد وجرح کو چھوڑ دیا ہے۔

۳: علامہ تفتازانی [1] ''تلویح'' میں لکھتے ہیں:

"قد طعن فيه المحدثون بأن في روايته يزيد بن ربيعة وهو مجهول وترك في إسناده واسطة بين الأشعث وثوبان فيكون منقطعا، وذكر يحيى بن معين أنه حديث وضعته الزنادقة."

(ص: ٤٧٧ طبع نول کشور)

یعنی اس کی سند میں ایک راوی لا پتا ہے، دو جگہ سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے بلکہ حافظ ابن معین کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کو ملحدین نے گھڑا ہے۔

''تلویح'' کے حنفی محشی مولانا امیر علی نے اس کی تائید کرتے ہوئے امام ابن معین کے حق میں لکھا ہے:

"وهو أعلم هذه الأمة في علم الحديث وتزكية الرواة." (ص: ٤٧٨ حاشيه)

۴: اس رائے میں امام ابن معین رحمہ اللہ ہی منفرد نہیں، دوسرے کبار محدثین بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ما رواه أحد عمن يثبت حديثه في شيء صغير ولا كبير." (إرشاد الفحول، ص: ٣١)

امام عبدالرحمٰن ابن مہدی کہتے ہیں:

"الزنادقة والخوارج وضعوا ذلك الحديث."

(جامع بيان العلم)

حافظ ابن عبدالبر (ت ۴۶۳ھ) کا کہنا ہے:

"هذه الألفاظ لا تصح عنه صلى الله عليه وسلم عند أهل العلم بصحيح النقل من سقيمه." (جامع بيان العلم: ٢/ ١٩١)

علامہ مجدالدین صاحب قاموس (ت ۸۱۶ھ) نے لکھا ہے:

"لم يثبت فيه شيء وهذا الحديث من أوضع الموضوعات." (سفر السعادة، ص: ١٤٦)

حافظ ابن حجر (ت ۸۵۲ھ) سے حافظ سخاوی (ت ۹۰۲ھ) نے نقل کیا ہے:

"إنه جاء من طرق لا تخلو من مقال."

(المقاصد الحسنة، ص: ١٧ طبع ہند)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول کی تصدیق کے لیے حافظ ابن حزم (ت ۴۵۶ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب الإحكام في أصول الأحكام (٢/ ٧٦-٧٩) دیکھنی چاہیے۔ انھوں نے اس روایت کے چند مختلف طرق ذکر کر کے ان پر بھرپور تفصیلی اور مدلل تنقید کی ہے۔ علامہ سیّد شریف جرجانی (ت ۸۱۶ھ) کی طرف منسوب رسالہ اصولِ حدیث میں (جو جامع ترمذی کے ساتھ بھی مطبوع ہے) اسے موضوع تسلیم کیا گیا ہے۔ اس طرح علامہ محمد طاہر فتنی (ت ۹۸۶ھ) صاحبِ مجمع البحار نے بھی۔ (تذكرة الموضوعات، ص: ٢٨) علامہ شوکانی (ت ۱۲۵۰ھ) نے یہ سب اقوال تقریباً نقل

[1] اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ویسے تو علامہ تفتازانی (ت ۷۹۱ھ) نے اس روایت کو مجروح گردانا ہے مگر ایک دوسری فاش غلطی کر گئے کہ اس کو صحیح بخاری کی روایت بنا دیا۔ تفتازانی معقولیات کے علامہ بلاشبہ ہیں مگر فنِ حدیث سے بالکل کورے ہیں۔ ان بے چاروں نے مکھی پر مکھی شاید یوں ماری کہ علامہ عبدالعزیز حنفی بخاری (ت ۷۳۰ھ) کی "كشف الأسرار" (شرح اصول بزدوی) میں کہیں لکھا دیکھ لیا: "إن الإمام أبا عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري أورد هذا الحديث في كتابه وهو الطود المنيع في هذا الفن وإمام أهل الصنعة فكفى بإيراده دليلا على صحته." (٣/ ١٠) معلوم نہیں مصنف "كشف الأسرار" نے امام بخاری کی کون سی کتاب (اگر براہِ راست خود ہی اس کتاب سے نقل کیا ہے) مراد لی۔ اور پھر امام بخاری اگر اپنی کسی کتاب میں اس کو لائے ہیں تو کس انداز سے، مگر علامہ تفتازانی (ت ۷۹۱ھ) نے اسے صحیح بخاری کی حدیث خیال کر لیا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صحیح بخاری تو کجا صحاح کی باقی کتابوں میں بھی نہیں بلکہ ان کے علاوہ متداول کتب حدیث میں بھی اس مکذوبہ روایت کا نشان نہیں ملتا۔ دیکھیے! کسی فن سے ناآشنا ہو کر اس میں دخل دینے والا کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتا ہے۔

کیے ہیں۔(إرشاد الفحول، ص: ۳۱)

یہ ہے اس روایت کی گئی گزری حالت کہ حضرت امام شافعی اور امام عبدالرحمٰن ابن مہدی کے زمانے سے لے کر آج تک قریباً ہر دور کے آئمۂ حدیث و محققین علماء نے اس کو مجروح و مطرود قرار دیا ہے مگر اس ستم ظریفی کے کیا کہنے کہ پرویز صاحب اور ان کے لگے بندھے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اسے رٹے ہی چلے جا رہے ہیں، سچ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾

[النور: ۴۰]

۵: رحیق جلد ثالث کے شمارہ نمبر (۱-۲) میں جناب مولانا عبدالغفار حسن صاحب نے پرویز صاحب کے متعلق لکھا تھا کہ وہ خود بھی حدیثوں کے پرکھنے کے معاملے میں اس اصول کے قائل نہیں کہ وہی حدیث قبول کی جائے جو قرآن کے مطابق ہو۔ پھر ان کی کتاب مقامِ حدیث (ص: ۳۲۸ وغیرہ) سے اپنا دعویٰ ثابت کیا تھا جس کو اب تک ''طلوعِ اسلام'' نے سکوتاً تسلیم کیا ہے، پھر اب اس جھوٹی روایت کو اچھالنے کے کیا معنی؟

۶: اصل معاملہ یہ ہے کہ دوسری صدی ہجری میں حدیث کا دور دورہ ہوا۔ ہر سُو اِس کا چرچا پھیلا اور چار دانگ عالم میں اس کا ڈنکا بجا تو یونانیوں سے تازہ درآمد کیے ہوئے فلسفہ زدہ لوگوں (معتزلہ) کے دماغ اکثر احادیث کو ہضم نہیں کر پاتے تھے، اس لیے انھوں نے دام ہم رنگ بچھایا اور عوام کے طعن و تشنیع سے بچنے اور ان پر اثر انداز ہونے کے لیے اس قسم کی حدیثیں گھڑیں۔ اور وہ ایسے ہی جس طرح دورِ حاضر میں آپ لوگ ان ہی جیسے طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ وہ اگر گھڑتے تھے تو آپ ان کی تیار کردہ مصنوعات کی نکاسی کر رہے ہیں۔ مگر محدثین کرام نے فوراً ہی چوری پکڑ لی اور معتزلہ کے اس جھوٹ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

۷: ہماری دانست میں معتزلہ ہی سے عیسیٰ بن ابان کے واسطے سے شاید غیر شعوری طور پر اُصول فقہ حنفی میں یہ موضوع روایت داخل ہوئی۔ اصول فقہ کی جو کتابیں اس وقت مروّج ہیں، ان میں سے سب سے قدیم کتاب فخر الاسلام بزدوی (ت۴۸۲ھ) کی اصول فقہ کی کتاب میں اس کا ذکر ملتا ہے، یعنی پانچویں صدی ہجری میں، اس سے قبل نہیں۔ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کی مصنفات میں یہ روایت کہیں موجود نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ کبار محدثین بزدوی سے مدتوں پہلے اس جھوٹ کا پردہ چاک کر چکے تھے۔ اور خود اُصول بزدوی کی اپنی جو حیثیت ہے اس کو حجۃ اللہ البالغہ (۱/۱۶۰) میں شاہ ولی اللہ نے بیان کر دیا ہے۔ خیر اپنی جگہ پر یہ معاملہ جو کچھ بھی ہو، یہ ہر حال اہل سنت کا اپنا ہے، منکرینِ حدیث کا بغلیں بجانا بے موقع ہے۔

۸: یہ علمی نکتہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حدیث شریف کے معیارِ صحت پر گفتگو آئمہ حدیث وفقہ کے ہاں بہ حیثیت اس کے خبر ہونے اور بہ اعتبار ثبوت ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ثبوت کا تعلق سند سے ہوتا ہے اور اسی سے بحث کی ضرورت۔ لیکن ''قرآنِ مجید سے مطابقت و مخالفت'' کا معاملہ دلالت سے متعلق ہے جو امر دیگر ہے، خلط مبحث نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی صحیح حدیث ظاہری مفہوم کے اعتبار سے قرآنِ مجید کے خلاف نظر آتی ہو تو اس کے حل کے سیدھے سادے دو طریقے ہیں: یا تو حدیث کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوگا یا تعارض پیدا کرنے والے ذہن نے قرآنِ کریم کا جو معنی سمجھا وہ معنی درست نہیں ہوگا، قرآن کا مطلب کچھ اور ہوگا۔ دیکھیے صحابہ وتابعین سے قرآن کی جو تفسیریں صحیح اسناد سے مروی ہیں، ان کی بنا پر صحیح حدیثیں اور قرآن شریف باہم متعارض نہیں کیوں کہ سلف کا قرآنی فہم درست تھا۔

اور یہ ایسے ہی ہے جیسے قرآن کی کوئی آیت دوسری کسی آیت کے بہ ظاہر خلاف معلوم ہوتی ہو تو اس وقت یہی کہا جائے گا کہ دونوں آیتوں میں سے ایک کا یا دونوں کا وہ مفہوم نہیں جو بہ ظاہر سمجھا جا رہا ہے۔ بہر صورت تطبیق کی راہ ہی نکالی جائے گی۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ معاذ اللہ ایک آیت ہی صحیح ثابت نہیں۔ یہ بحث رحیق کی بعض پچھلی اشاعتوں میں مختصر سی ہو بھی چکی ہے۔ واللہ الهادي

احکام ومسائل

پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن جائز نہیں

مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف حفظہ اللہ

سوال: دور حاضر میں مقتول کا پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن ضروری قرار دیا گیا ہے، کیا یہ دونوں شرعاً ضروری ہیں؟ شرعی حکم بیان فرمائیں۔

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب. پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن (میت کی چیر پھاڑ) کو ضروری قرار دینے والوں کا موقف ہے کہ قتل کی وجوہات اور اس کا سراغ لگانے میں آسانی ہوتی ہے اور اسی طرح ڈائی سیکشن کو ضروری قرار دینے کے لیے بھی یہی کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے نئی نئی بیماریوں کی روک تھام اور جدید میڈیکل سائنس کی راہیں کھلتی ہیں، مگر ان کی یہ سب باتیں خلاف شرع ہیں اور وہ بات اور عمل جو شریعت کے خلاف ہو وہ انسان کی بربادی اور تباہی کا باعث تو ہوسکتا ہے فلاح وفوز اور صحت وعافیت کا ضامن ہرگز نہیں ہوسکتا۔ شریعت کے گہرے مطالعہ کے بعد جو رائے قائم ہوتی ہے اس کے مطابق پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن ''مثلہ'' ہی کی جدید شکل ہے۔

مُثلہ کی تعریف:

۱۔ امام ابن اثیر (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

"المثلة: مثلث بالقتيل إذا جدعت أنفه وأذنه ومذاكيره أو شيئا من أطرافه."

(النهاية لابن الأثير: ٤/ ٢٩٤)

یعنی جب کسی کے ناک، کان، مذاکیر (اعضائے مخصوصہ) اور اس کے اطراف واکناف کچھ حصے کاٹ لیے جائیں تو عربی میں اسے مثلث بالقتیل کہا جاتا ہے۔''

۲۔ "مثلة نكل به بجدع الأنف أو قطع أذنه أو غيرهما من الأعضاء." (المعجم الوسيط: ٢/ ٨٥٣)

۳۔ ابولویس یسوعی لکھتا ہے:

"مثل يمثل مثلا ومثلة بالرجل."

(المنجد، ص: ٩٤٦)

''کسی کو قابل عبرت سزا دینا، بالقتل مثلہ کرنا، ناک، کان وغیرہ کاٹنا۔''

مثلے کی ان تینوں تعریفوں سے معلوم ہوا کہ انسان کو اِیذا رسانی کے لیے اس کا ناک، کان، اعضائے مخصوصہ اور جسم کے دوسرے اعضاء کاٹ لینے کا نام ''مثلہ'' ہے اور شریعت کی رو سے یہ حرام ہے، ملاحظہ فرمائیے:

متعدد احادیث کے مطابق مثلہ ناجائز اور حرام ہے۔ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"عن النبي ﷺ أنه نهى عن النهبة والمثلة."

(صحيح بخاري: ٢/ ٨٢٩)

نبی کریم ﷺ نے نہبہ (چھینا جھپٹی) اور مثلہ سے منع فرمایا ہے۔''

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كان رسول الله ﷺ يحثنا على الصدقة وينهانا عن المثلة." (أبوداود: ٢/ ١٤)

''رسول اللہ ﷺ ہم کو صدقے کی ترغیب دیتے اور مثلے سے روکتے تھے۔''

ان صحیح احادیث سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ میت کا پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن ہرگز جائز نہیں کیوں کہ یہ فعل سرتاپا انسان کی توہین پر مبنی ہے جب کہ اسلام میں مسلمان تو رہا درکنار، کسی غیر مسلم کی توہین، یعنی مثلہ جائز نہیں، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ۔

وجہ ثانی:

پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن کے حرام ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردے کی ہڈی توڑنے کو زندہ شخص کی ہڈی توڑنے کے جرم (گناہ) کے برابر قرار دیا ہے۔ احادیث پیش خدمت ہیں:

۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كسر عظم الميت ككسره حيا.))

(سنن أبي داود: ۲/ ۱۰۴)

''میت کی ہڈی توڑنا زندہ شخص کی ہڈی توڑنے کی طرح (گناہ) ہے۔''

مسند احمد بن حنبل میں اس حدیث کے الفاظ یوں مروی ہیں:

((إن كسر عظم الميت المؤمن ميتا مثل كسر عظمه حيا.)) (مسند أحمد: ۶/ ۵۸)

''مومن میت کی ہڈی توڑنا شرعاً ایسے ہے جیسے زندہ مومن کی ہڈی توڑی دی جائے۔''

اس وعید شدید کی شدت کا سبب جابر رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث میں مذکور ہے، وہ فرماتے ہیں:

"خرجنا مع رسول الله ﷺ في جنازة فجلس النبي ﷺ على شفير القبر وجلسنا معه، فأخرج الحفار عظما؛ ساقا أو عضدا فذهب بكسره، فقال النبي ﷺ: ((لا تكسر! فإن كسرك إياه ميتا ككسرك إياه حيا ولكن رسه في جانب القبر.))"

(فتح الودود حاشية أبي داود: ۲/ ۱۰۴)

''ہم ایک جنازے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ قبر کے کنارے کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ہم لوگ بھی بیٹھ گئے۔ اتنے میں گورکن نے میت کی پنڈلی یا بازو کی ہڈی نکالی اور اس کو توڑنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو مت توڑو۔ تیرا اِس ہڈی کو اس مردہ حالت میں توڑنا گناہ ہونے میں ایسا ہے جیسا زندہ انسان کی ہڈی توڑنا گناہ ہے۔ اسے قبر کے کنارے میں دفن کردو۔''

زندہ شخص اور مردے کی ہڈی توڑنا گناہ اس لیے برابر ہے کہ اُس میں انسانیت کی کھلم کھلا توہین دکھائی دیتی ہے جب کہ انسان زندہ ہو یا مردہ ہر حال میں قابل احترام ہے۔ طیبی فرماتے ہیں:

"فيه إشارة إلى أنه لا يهان ميتا كما لا يهان في حياته." (المرقاة)

''اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح زندہ انسان کی توہین جائز نہیں اسی طرح مردہ انسان کی توہین بھی جائز نہیں۔''

ابن ملک کہتے ہیں کہ میت بھی زندہ انسان کی طرح تکلیف محسوس کرتی ہے۔ حافظ ابن حجر ابن ملک کی اس بات پر فرماتے ہیں کہ میت جس طرح تکلیف محسوس کرتی ہے اسی طرح لذت کا احساس بھی رکھتی ہے۔

علامہ علی قاری ابن ملک اور حافظ ابن حجر کے خیال کی تائید میں عبداللہ بن مسعود کی درج ذیل روایت بہ حوالہ ابن ابی شیبہ پیش کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"أذى المؤمن في موته كأذاه في حياته."

(المرقاة: ۶/ ۱۴۹)

''جس طرح زندہ مومن ایذا رسانی پر تکلیف محسوس کرتا ہے اسی طرح موت کے بعد پہنچنے والی ایذا کی تکلیف بھی محسوس کرتا ہے۔''

اس ساری بحث سے ثابت ہوا کہ کسی میت کا پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن نہ صرف یہ کہ جائز نہیں بلکہ یہ قانون توہین انسانیت کی دستاویز اور میت کے لیے ایذا رسانی کا بھی باعث ہے، لہٰذا یہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

ڈائی سیکشن برائے طبی تعلیم:

میڈیکل طلباء کے لیے طبی تجربات کی خاطر میت کا ڈائی سیکشن

(چیر پھاڑ) جائز نہیں، لہٰذا اِس کو چھوڑ کر متبادل اور مناسب طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں جن سے طلباء اور طالبات کو فائدہ ہو مگر اسلامی آداب کی خلاف ورزی نہ ہو:

۱: آپریشن کرتے وقت نئے طلباء کو مطالعہ کے لیے پاس کھڑا کرلیا جائے اور ساتھ ساتھ ان کو بتایا جائے، ورنہ بعد میں تفصیل بیان کردی جائے۔

۲: پلاسٹک اناٹومی سے کام لیا جائے۔

۳: ماڈل اور مصنوعی چیزوں سے استفادہ کیا جائے۔

۴: ماڈل کی تہوں کو ہٹا کر دکھایا جائے اور جسم انسان کی اندرونی ساخت کا مطالعہ کروایا جائے۔ اس ضمن میں کلاسیفائیڈ اناٹومی کا استعمال کرایا جائے۔ اس سے بھی کام نہ چلے تو غیر مسلم ممالک میں ہونے والے آپریشن اور انسانی جسم پر ہونے والی تحقیق انٹرنیٹ کے ذریعے طلباء اور طالبات کو دکھائی جائے۔ اور اب تک ہونے والی سابقہ تحقیق سے فائدہ اُٹھایا جائے۔

۵: طلباء کو دیگر ممالک کے مطالعاتی دورے کروائے جائیں۔

۶: حلال جانوروں کو ذبح کرکے ان کے اجسام کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

۷: غیر مسلم نعشوں پر بھی طبی تجربات ہوسکتے ہیں اور یہ غیر مسلم سے معاہدہ کرکے طلباء کو مطالعہ کروایا جاسکتا ہے چوں کہ اصل حرمت تو مسلمان نعش کی ہے۔

محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کتاب الجنائز میں لکھتے ہیں کہ مسلمان نعش کا پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن جائز نہیں:

"والحديث دليل على تحريم كسر عظم الميت المؤمن.

إنه لا حرمة لعظام غير المؤمنين لإضافة العظم المومن في قوله: ((عظم المؤمن)) فأفاد أن عظم الكافر ليس كذلك وقد أشار إلى هذا المعنى الحافظ في "الفتح" بقوله:

"يستفاد منه أن حرمة المؤمن بعد موته باقية كما كانت في حياته." ومن ذالك يعرف الجواب عن السؤال الذي يتردد على ألسنة كثير من الطلاب في كليات الطب و هو: هل يجوز كسر العظام لفحصها وإجراء التجربات الطبية فيها؟

والجواب: لا يجوز ذلك في عظام المؤمن ويجوز في غيرها ويؤيده بنش قبور الكفار لأنه لا حرمة لها كما دل عليه مفهوم الحديث أنس بن مالك رضي الله عنه فأمر النبي ﷺ بقبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت."

یعنی رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق مسلمان میت کی ہڈی توڑنا زندہ شخص کی ہڈی توڑنے کے برابر (گناہ) ہے۔ حدیث کے الفاظ ((عظم المؤمن)) سے صرف مومن ومسلمان کی تخصیص ہوتی ہے، کافر اس حکم میں شامل نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

لہٰذا میڈیکل کالجز کے طلباء اور طالبات کفار کی نعشوں پر تجربات اور تحقیق کرسکتے ہیں، چونکہ ان کی نعشوں کی حرمت ان کے کفر کی وجہ سے باقی نہیں ہوتی۔ اس کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار سے ایک قطعہ زمین کا خریدا جس میں ان کی قبریں تھیں۔ زمین خریدنے کے بعد آپ ﷺ نے ان قبروں کو اُکھاڑنے اور برابر کرنے کا حکم فرمایا۔ صحابہ نے اس حکم پر عمل درآمد کرتے ہوئے ان کو اُکھاڑ کر پیوند خاک کردیا اور قبرستان میں جو درخت تھے وہ بھی کاٹ دیے۔

علمائے کرام اور بالخصوص الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے فتوے کے مطابق مسلمان میت کا پوسٹ مارٹم جائز ہے اور نہ ڈائی سیکشن۔ ان

دونوں کاموں میں مومن مسلمان کی لاش کی بہرحال بے حرمتی اور توہین پائی جاتی ہے۔ رہی میڈیکل کے طلباء اور طالبات کی طبی ضرورت تو وہ غیر مسلم کی لاشوں پر تجربات اور تحقیق کر سکتے ہیں۔

پیشاب کی تھیلی اور نماز:

سوال: وہ مریض جس کے ساتھ پیشاب کی تھیلی لگی ہوئی ہے وہ وضو کیسے کرے اور نماز کیسے پڑھے؟ (اسماعیل بلوچ، ملتان۔)

جواب: پیشاب کی تھیلی والا مریض ہو یا نکسیر، سلسل البول، مسلسل ہوا خارج ہوتے رہنا یا زخم اور ایسا پھوڑا جس سے خون یا پانی رستا رہتا ہو تو ایسے تمام مریض اسی حالت میں نماز پڑھنے کے شرعاً پابند ہیں۔ نماز کا وقت آنے پر اگر وضو کرنا ممکن ہو تو وضو کر لیں، ورنہ تیمّم کے ساتھ نماز پڑھیں۔ حاضر نماز کے وقت کے اندر اندر نماز پڑھنے کے دوران نکسیر کا خون اور پیشاب بہتا رہے یا ہوا خارج ہوتی رہے اور اس طرح پیشاب کی تھیلی میں قطرے گرتے رہیں تو کوئی حرج نہیں۔ جواز کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

① ...... ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ٢٨٦]

② ...... ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا﴾ [الطلاق: ٧]

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔

③ ...... ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ١٦]

''حسب طاقت اللہ سے ڈرو۔''

④ ...... استحاضے والی عورت (وہ عورت جس کو حیض کے علاوہ خون آتا رہتا ہے) کے لیے یہ حکم ہے:

((توضئي لكل صلاة .))

''ہر نماز کے لیے وضو کرے۔''

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ پیشاب کی تھیلی والا اور اس قسم کے دوسرے مریض ایک وضو کے ساتھ حاضر نماز کے وقت میں فرض اور نفل جتنے چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ جیسے ہی موجود نماز کا وقت گزر جائے گا یہ وضو بھی ختم جائے گا۔ ایسے مریضوں کو قرآن کی تلاوت اور بیت اللہ کے طواف کی بھی اجازت ہے۔ تاہم نئی نماز کے لیے نیا وضو کرنا ہوگا، یعنی ظہر کے وضو سے عصر کی نماز نہیں پڑھ سکتے، اس کے لیے نیا وضو کرنا ہوگا۔

ازراہِ ترحم دائمی مریض کو قتل کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مرض طویل ہونے کی صورت میں مریض کو مرض کی تکلیف سے بچانے کے لیے اور اس کی حالت زار پر ترس کھا کر قتل کر دینے میں کوئی بُرائی نہیں۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (مفتی عبدالقہار، بدخشاں، افغانستان۔)

جواب: یہ ان نام نہاد روشن دماغ اور اسلامی تعلیمات سے بے خبر اور مسلمان کے حق میں طویل مرض کی افادیت سے ناواقف لوگوں کی غلط سوچ ہے۔ ان نام نہاد سکالروں اور روشن دماغ اور ترقی پسند دانش وروں کو اتنا بھی علم نہیں کہ اسلام میں انسانی جان کی حفاظت کا اتنا کڑا اور جامع قانون ہے کہ کسی انسان کو، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اس وقت تک قتل نہیں کیا جا سکتا جب تک اس سے درج ذیل تین گھمبیر جرائم میں سے کسی ایک جرم کا ارتکاب ثابت نہ ہو۔ اور جرم کے اثبات میں ٹھوس اور ثقہ نصاب شہادت، با قاعدہ عدالتی کارروائی اور تحقیق و تفتیش کے تمام تقاضے پورے ہوں۔ وہ تین جرائم یہ ہیں:

۱: شادی شدہ زنا کا مرتکب ثابت ہو جائے اور چار عینی گواہ گواہی دیں یا پھر وہ بہ قائم ہوش وحواس اقبالِ جرم کرے۔

۲: ناحق قتل کا مرتکب ہو۔

۳: مرتد ہو جائے، یعنی اسلام سے منحرف ہو جائے۔

(صحيح بخاري، صحيح مسلم)

ان تین جرائم کے سوا کسی جرم میں یا مرض میں کسی کو زہریلی گولیاں کھلا کر، زہریلا ٹیکہ لگا کر یا بجلی کا جھٹکا دے کر قتل کرنا ہرگز جائز نہیں۔

ملحوظہ: اگر کسی مسلمان کا مرض طویل ہو جائے اور صبر وسکون اور شکر وسپاس کے ساتھ مدت مرض پوری کرے اور حرف شکایت زبان پر نہ لائے اور بے صبری سے گریزاں رہے تو مرض اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

اس طرح ترحم کے بہانے قتل کرنا قتل ناحق کے ساتھ ساتھ اللہ کے قانونِ موت وحیات میں مداخلت ہے جو قطعاً جائز نہیں کیوں کہ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب.

ارکانِ اسلام

قسط نمبر ①

ماہِ رمضان اور اس کے تقاضے

حافظ ریاض احمد عاقب اثری

اسلامی مہینوں میں ماہِ رمضان بہت فضیلت واہمیت کا حامل مہینا ہے۔ یہ ماہِ مقدس نزولِ قرآن کا مہینا، مولائے کریم کی خاص رحمتوں وبرکتوں کا مہینا، مالک ارض وسماء کی نوازشوں کا مہینا، صبر وبرداشت کا مہینا، شفقت وہم دردی کا مہینا، احساس وخیر خواہی کا مہینا، فراخیِ رزق کا مہینا، آسودگی وخوش حالی کا مہینا، عظمت وسعادت کا مہینا، قربِ الٰہی کے حصول کا مہینا، نیکیاں کمانے کا مہینا، دخولِ جنت اور جہنم سے چھٹکارے کا مہینا ہے۔

اس ماہِ مبارک کے اتنے فضائل وخصوصیات ہونے کے باوجود دورِ حاضر کا مسلمان اس سے پہلوتہی اور غفلت شعاری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ عصر حاضر کا تن آسان مسلمان ماہِ غفران کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتا ہے۔ اس آرام طلب مسلمان کے لیل ونہار رسومات قبیحہ اور عادات شنیعہ میں بسر ہوتے ہیں۔ بعض صحت مند لوگ اس ماہِ مقدس کے روزے نہیں رکھتے اور سرعام احترامِ رمضان کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بعض ملحدین کے بہ قول اللہ تعالیٰ روزہ رکھوا کر ہمیں بھوکا و پیاسا مارنا چاہتا ہے، العیاذ باللہ!

بعض روزہ دار اس ماہِ فوزان میں کذب بیانی، رشوت ستانی، گالی گلوچ، فحش گوئی، دروغ گوئی، عیب جوئی، سود خوری، چغل خوری، دغا بازی، قمار بازی اور خیانت وخباثت جیسے بُرے اعمال کا ارتکاب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آج ہمیں بہ حیثیت سچے مسلمان اس ماہِ رمضان کا صدقِ دل سے احترام واکرام کرنا ہوگا۔ اس ماہِ غفران میں اپنے حقیقی خالق ومالک کو راضی کرنا ہوگا۔ اس ماہِ فوزان کے اعمال وتقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔ جب خالق کائنات نے اس ماہِ مبارک کو اتنا مقدس اور محترم بنایا ہے تو پھر مسلمان مرد وعورت پر لازمی ہے کہ وہ اس کے تقدس کی پامالی نہ کریں اور اس کے احترام واکرام کو پارہ پارہ نہ کریں۔

اس ماہِ رمضان کے تقدس واحترام میں سے ہے کہ اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ ذیل میں ہم اس بابرکت مہینے کے کچھ اعمال وتقاضے قارئین کرام کی خدمت پیش کررہے ہیں۔

۱۔ روزوں کا التزام:

اس ماہِ مکرم کا سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ اس کے روزے ہر مکلّف مسلمان پابندی سے رکھے کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس ماہ کے روزے اہل ایمان پر فرض کیے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

[البقرة: ۱۸۳]

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تقویٰ اختیار کرلو۔''

اور فرمایا:

﴿فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرة: ۱۸۳]

''پس جو شخص بھی اس مہینے کو پائے وہ اس کے روزے رکھے۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((أتاكم رمضان، شهر مبارك، فرض الله عليكم صيامه)) (نسائي، رقم الحديث: ۲۱۰۶ مسند أحمد: ۲/ ۲۳۰، وقال الألباني: وهو حديث جيد لشواهده، تحقيق المشكاة: ۱/ ۶۱۲)

”تمھارے پاس رمضان آیا ہے، یہ برکتوں کا مہینا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تم پر فرض کیے ہیں۔“

نبی کریم ﷺ نے ماہِ رمضان کے روزوں کو اسلام کے ارکان میں ایک رکن قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((بنـي الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا اللـه وأن محـمـدا رسول الله، وإقام الـصلاة، وإيتاء الزكاة، وحج البيت، وصوم رمضان.)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ۸، صحيح مسلم، رقم الحديث: ۱۶)

”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پہ رکھی گئی ہے: (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، (۲) نماز قائم کرنا، (۳) زکاۃ ادا کرنا، (۴) بیت اللہ کا حج کرنا اور (۵) ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔“

ان مذکورہ بالا دلائل قویہ سے ثابت ہوا کہ ماہِ رمضان کے روزے ہر مکلّف مسلمان مرد وزن پر فرض ہیں۔ جو اس ماہ کے روزے بغیر شرعی عذر کے نہیں رکھتا وہ احکامِ الٰہی کا تارک ہو کر گناہ گار ہے۔

روزہ نہ رکھنے والے کا انجام بہت بُرا ہے جیسا کہ سیّدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں میرے پاس دو آدمی آئے۔ انھوں نے مجھے بازوؤں سے تھاما اور ایک دشوار گزار چڑھائی والے پہاڑ تک لے جا کر مجھے اس پر چڑھنے کو کہا۔ میں نے کہا: ”میں اس پر نہیں چڑھ سکتا۔“ انھوں نے کہا: ہم اسے آپ کے لیے آسان بنا دیں گے۔ چنانچہ میں نے اس پر چڑھنا شروع کیا حتی کہ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گیا۔ میں نے وہاں چیخنے اور چلانے کی آوازیں سنیں۔ میں نے پوچھا: ”یہ کیسی آوازیں ہیں؟“ انھوں نے جواب دیا: ”یہ جہنمیوں کی آہ وبکا کا شور وغل ہے۔ پھر مجھے اس سے آگے لے جایا گیا جہاں میں نے کچھ لوگوں کو الٹا لٹکے ہوئے دیکھا جن کی باچھیں چیر دی گئی تھیں اور ان سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا: ”یہ کون لوگ ہیں؟“ انھوں نے عرض کیا: یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ وقت سے پہلے افطار کرلیا کرتے تھے۔“ (یعنی روزہ نہیں رکھتے تھے اور جب چاہتے کھا پی لیا کرتے تھے۔) (صحيح ابن حبان: ۷۴۹۴، حاكم: ۱/ ۴۳۰، ۴/ ۴۰۹ وصححه والذهبي وصححه أيضا الألباني في صحيح الترغيب والترهيب، رقم الحديث: ۱۰۰۵)

اس حدیث مبارک سے روزہ نہ رکھنے والوں کے لیے سخت وعید ثابت ہو رہی ہے۔ اس سخت سزا سے بچنے کے لیے بندۂ مومن کو چاہیے کہ اس ماہِ مقدس کو پا کر اس کے روزے باقاعدگی سے رکھے تا کہ وہ اس ماہ کے اہم تقاضے پورا کر سکے۔

روزوں کے بہت سے فضائل، فوائد اور ثمرات ہیں، ان میں چند حسب ذیل ہیں:

<u>روزے کا اجر بے حساب وکتاب ہے:</u> رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((كل عـمل ابن آدم يضاعف، الحسنة عشر أمثـالهـا إلـى سبع مـائة ضعف. قـال اللـه عـزوجل: إلا الصوم، فإنه لي وأنا أجزي به، يـدع شهـوتـه وطعـامـه من أجلي، للصائم فـرحتـان، فرحة عند فطره، وفرحة عند لقآء ربـه، ولخلوف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك.)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ۱۸۹۴، مسلم، رقم الحديث: ۱۶۴، ۱۶۵ واللفظ لمسلم)

”انسان جو بھی نیک عمل کرتا ہے، اس کا اجر اسے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ملتا ہے لیکن روزے کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ یہ عمل خالص میرے لیے ہے،

اس لیے میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزے دار صرف میرے لیے اپنی جنسی خواہش اور کھانا پینا چھوڑتا ہے۔ روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی اسے روزہ افطار کرتے وقت حاصل ہوتی ہے اور دوسری خوشی اسے اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملے گا۔ اور روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوش بُو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔''

گزشتہ گناہوں کی معافی: روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ انسان کے سابقہ گناہ معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ محسن انسانیت کا فرمانِ عالی شان ہے:

((من صام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٩٠١، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٧٦٠)

''جس شخص نے ایمان اور اجر وثواب کے حصول کے لیے ماہِ رمضان کے روزے رکھے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

روزے دار کے لیے جنت کا مخصوص دروازہ: روزے دار کے لیے اللہ عزوجل نے جنت کا ایک دروازہ مخصوص کر دیا ہے جسے ''باب الریان'' کہا جاتا ہے۔ اس مخصوص دروازے میں صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے اور کوئی داخل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

((إن في الجنة بابا يقال له الريان، يدخل منه الصائمون يوم القيامة لا يدخل منه أحد غيرهم، يقال: أين الصائمون؟ فيقومون لا يدخل منه أحد غيرهم، فإذا دخلوا أغلق فلم يدخل منه أحد .))

(صحيح بخاري: ١٨٩٦، صحيح مسلم: ١١٥٢)

''بے شک جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ''باب الریان'' کہا جاتا ہے۔ اس سے روزِ قیامت صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے اور ان کے علاوہ کوئی اور اس سے داخل نہیں ہوگا۔ اور پُکار کر کہا جائے گا: روزے دار کہاں ہیں؟ تو وہ کھڑے ہوں گے، ان کے سوا اور کوئی اس سے داخل نہیں ہوگا۔ جب وہ داخل ہو جائیں گے تو اس دروازہ کو بند کر دیا جائے گا اور کوئی اس سے داخل نہیں ہوگا۔''

روزہ باعث شفاعت: روزہ قیامت کے دن روزے دار کے حق میں شفاعت کرے گا اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے:

((الصيام والقرآن يشفعان للعبد يوم القيامة، يقول الصيام: أي رب! منعته الطعام والشهوات بالنهار فشفعني فيه، ويقول القرآن: منعته النوم بالليل فشفعني فيه .)) قال: ((فيشفعان .)) (مسند أحمد: ٢/ ١٧٤، مستدرك حاكم: ١/ ٥٥٤ وغيرهما، وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب، رقم الحديث: ٩٨٤، صحيح الجامع، رقم الحديث: ٣٨٨٢)

''روزہ اور قرآن دونوں روزِ قیامت بندے کے حق میں شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے کھانے (پینے) اور شہوات سے روکے رکھا، اس لیے تُو اس کے حق میں میری شفاعت قبول کر۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، لہٰذا تُو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''چنانچہ ان دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔''

روزہ ڈھال ہے: روزہ گناہوں اور عذابِ الٰہی سے بچاؤ کی ڈھال ہے۔ جس طرح ڈھال تلوار کے وار کو روکتی ہے اسی طرح روزہ بندۂ مومن کو عذابِ جہنم سے بچا لے گا۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

((الصيام جنة .)) (صحيح بخاري، رقم

الحدیث: ۱۸۹۴، مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۵۱)
''روزہ ڈھال ہے۔''
آپ ﷺ نے مزید فرمایا:
((الصيام جنة من النار كجنة أحدكم من القتال.)) (نسائي: ٤٤٣١، ابن ماجه: ١٦٣٩ صححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب: ٩٨٢)
''روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک جنگ سے بچنے کے لیے ڈھال استعمال کرتا ہے۔''
روزوں کے یہ مذکورہ فضائل وثمرات صرف کھانا پینا ترک کرنے سے حاصل نہیں ہوں گے بلکہ اس کا اصل مستحق وہی روزے دار ہے جو صحیح معنوں میں روزوں کے تقاضے پورے کرتا ہے، یعنی روزے دار جب فحش گوئی، بدگوئی، دروغ گوئی، کذب بیانی، گالی گلوچ، غیبت، چغل خوری اور دھوکا دہی وغیرہ جیسے بُرے اعمال سے اجتناب کرے گا تو اس روزے دار کو مذکورہ فضائل وفوائد حاصل ہوں گے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:
((من لم يدع قول الزور والعمل به، فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه.))
(صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٩٠٣)
''جس شخص نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔''
محمد عربی ﷺ نے مزید فرمایا:
((وإذا كان يوم صوم أحدكم فلا يرفث ولا يصخب، فإن سابه أحد أو قاتله فليقل: إني امرؤ صائم.)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٩٠٤، مسلم، رقم الحديث: ١١٥١)
''جب تم نے کسی دن روزہ رکھا ہو، تو وہ شہوت انگیز گفتگو مت کرے اور نہ ہی شور وغوغا مچائے۔ اگر اسے کوئی گالی بکے یا لڑنے جھگڑنے کی کوشش کرے تو یہ کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں۔''
اکثر مشاہدے میں آیا ہے کہ لوگ روزہ رکھ کر بھی جھوٹ، دھوکا دہی، فراڈ، فحش گوئی، غیبت، چغل خوری، رشوت ستانی، سودی خوری اور گالی بکنے ایسے بُرے اعمال کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ یہ اعمال بد روزے کے منافی ہیں۔ جو روزہ رکھ کر ایسے قبیح افعال واعمال کرتا ہے، وہ روزے کے اجر وثواب سے محروم رہتا ہے، حقیقت میں وہ صرف فاقہ کشی کر رہا ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ عالی ہے:
((كم من صائم ليس له من صيامه إلا الظمأ وكم من قائم ليس له من قيامه إلا السهر.))
(مسند أحمد: ٢/ ٢٤١، دارمي: ٢٧١٦، حاكم: ١/ ٤٣١ وقال الألباني: "إسناده جيد" تحقيق المشكاة: ١/ ٦٢٦)
''کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں جن کو سوائے پیاس کے، روزہ رکھنے سے کچھ نہیں ملتا اور کتنے ہی شب بیدار ایسے ہیں جن کو بے خوابی کے سوائے شب بیداری سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

۲۔ قیامِ رمضان کا اہتمام:

ماہِ رمضان کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا قیام اللیل (نمازِ تراویح) کا اہتمام بھی ہے۔ خاتم النّبیین، پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قیامِ رمضان کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ جیسا کہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
"كان رسول الله ﷺ يرغب في قيام رمضان من غير أن يأمرهم فيه بعزيمة."
(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٧٥٩)
''رسول اللہ ﷺ قیامِ رمضان کی ترغیب دلایا کرتے تھے، تاہم انھیں (قیامِ رمضان کی) فرضیت کا حکم نہیں دیتے تھے۔''
جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم

ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قیامِ رمضان کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ اس سے قیامِ رمضان کی اہمیت وتاکید کا ثبوت ملتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قیامِ رمضان (تراویح) کی فضیلت کو یوں اُجاگر فرمایا:

((من قام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٢٠٠٩، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٧٥٩)

''جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب کے لیے ماہِ رمضان کا قیام کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ بھی راتوں کا قیام بالخصوص قیامِ رمضان کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ ایک رمضان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں تین دن باجماعت قیامِ رمضان (تراویح) کیا۔ جب چوتھی رات آئی تو لوگ اتنے زیادہ جمع ہوگئے کہ مسجد تنگ پڑ گئی لیکن رسول اللہ ﷺ اس رات مسجد میں تشریف نہ لائے یہاں تک کہ اذانِ فجر ہوگئی، پھر آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر آپ ﷺ نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور ارشاد فرمایا:

((أما بعد! فإنه لم يخف علي مكانكم، ولكني خشيت أن تفرض عليكم فتعجزوا عنها .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٢٠١٢، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٧٦١)

''لوگو! آج رات مسجد میں تمھاری موجودگی مجھ سے مخفی نہیں تھی لیکن مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض ہی نہ ہوجائے اور پھر تم اس (کے پڑھنے) سے عاجز آ جاؤ۔''

اس واقعہ سے نبی کریم ﷺ کا قیامِ رمضان کا اہتمام فرمانا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیامِ رمضان میں رغبت اور شوق کرنا صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا ہمارے سلف صالحین قیامِ رمضان کا خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ مبارک میں رسول اللہ ﷺ کی باجماعت تراویح کی اس سنت کو دوبارہ جاری فرمایا، اس سے قیامِ رمضان کی اہمیت وتاکید روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے۔

آج صورتِ حال اس قدر دگرگوں ہوچکی ہے کہ نمازِ تراویح تو دور رہی، لوگ پانچ وقت کی فرضی نماز بڑی مشکل سے ادا کرتے ہیں۔ نمازِ تراویح کو آج تن آسان حضرات اپنے اوپر بوجھ خیال کرتے ہیں۔ یہ روش انتہائی غلط ہے۔ اس غلط روش اور سستی وکاہلی کو چھوڑنا ہوگا اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قیام رمضان کا اہتمام کرنا ہوگا۔



دعائے مغفرت

مولانا محمد علی صاحب سسر محترم مولانا عنایت اللہ امین بر کھائی قصور، گزشتہ دنوں وفات پاگئے، إنا لله وإنا اليه راجعون.

مرحوم بڑے پارسا، نیک خصال بزرگ تھے۔ انھوں نے ۱۱۵ برس طویل عمر پائی۔ ان کی نماز جنازہ مولانا عتیق اللہ سلفی صاحب نے پڑھائی۔ سیکڑوں احباب شریک جنازہ ہوئے۔ قارئین الاعتصام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (محمد یحیٰ عزیز ڈاہروی)

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ③ آخری

ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

جبر اور عضل کا مفہوم:

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لڑکی بلاوجہ خودسری کا مظاہرہ کرتی ہے یا جذبات میں آکر والدین کا فیصلہ ماننے سے انکار کردیتی ہے جب کہ والدین کا فیصلہ خیرخواہی اور دُوراندیشی پر مبنی ہونے کے علاوہ دین ودنیا کی مصلحتوں کے بھی مطابق ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر والدین کو اپنی بالغ (مگر عقل وشعور کے اعتبار سے نابالغ) بچی کو سمجھانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ بعض دفعہ اپنے اختیارات بھی بروئے کار لانے پڑتے ہیں۔ یہ جبر نہیں ہے بلکہ خیرخواہی اور حقِ ولایت کا ناگزیر تقاضا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو عند اللہ حق نصیحت اور حقِ ولایت کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب قرار پائیں گے کیوں کہ دین ودنیا کی مصلحتوں کو جس طرح سرد وگرم چشیدہ والدین سمجھ سکتے ہیں ایک نوجوان بچی نہیں سمجھ سکتی۔

جبر دراصل یہ ہے کہ ولی اپنے مفادات کی خاطر نوجوان بچی کے مفادات اور اس کے مستقبل کو نظر انداز کردے۔ جیسے کوئی شخص اپنی نوجوان بچی کا نکاح کسی عمر رسیدہ شخص سے کرنے پر اصرار کرے یا پیسے کے لالچ میں بے جوڑ شادی کرنا چاہے یا اور اس قسم کی کوئی صورت ہو جو بچی کے لیے ناپسندیدہ ہو۔ ان صورتوں میں والد یا ولی کو جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی باپ اپنی نوجوان بچی کی شادی اس لیے نہیں کرتا کہ اس کی زمین یا جائیداد تقسیم ہوجائے گی یا لڑکی اچھی ملازمت کرتی ہے یا گھر میں رہ کر کوئی آمدنی والا کام کرتی ہے تو وہ اس کی شادی نہ کرے تا کہ اس کی آمدنی سے وہ محروم نہ ہو یا اس لیے شادی نہ کرے کہ وہ اس کی خدمت سے محروم ہوجائے گا، ان تمام صورتوں میں ایسے ولی کو عاضل (نا اہل) قرار دے کر ولیِ اَبعد یا حاکم مجاز کے ذریعے سے بچی کی شادی کا انتظام کیا جائے گا۔

یہ ہے مسئلے کی اصل نوعیت۔ اس اعتبار سے جہاں والدین اور نوجوان بچی کے درمیان شادی کے مسئلے میں اختلاف ہو یا نوجوان بچی گھر سے فرار ہو کر کسی آشنا کے ساتھ شادی کرلے اور معاملہ عدالت یا پنچایت میں پہنچے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بچی کا یہ اقدام واقعی والدین کے ناجائز جبر یا عضل کا نتیجہ ہے یا بچی ناسمجھی، خودسری اور بغاوت کا مظاہرہ کررہی ہے۔ اگر پہلی صورت ہے تو یقیناً اسے والدین کے ظلم وجبر سے بچا کر اس کی شادی کا اور اگر شادی ہوچکی ہو تو دوبارہ عدالتی ولایت کے ساتھ شادی کرکے اس کے تحفظ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ لیکن دوسری صورت میں وہ قطعاً کسی امداد وتعاون کی مستحق نہیں ہے۔ اس صورت میں والدین کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے تا کہ معاشرہ انتشار سے محفوظ رہے اور اگر اس نے والدین کی رضامندی کے بغیر از خود کسی سے نکاح کرلیا ہے جب کہ والدین اس کے سچے خیرخواہ اور ہمدرد ہیں تو ایسے نکاح کو باطل قرار دے کر ایسی لڑکی کو والدین کے سپرد کیا جائے۔

آج کل عدالتوں میں نوجوان لڑکیوں کے از خود نکاح کرنے کے جو مقدمات پیش ہورہے ہیں ان میں مذکورہ دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا تعین اور تحقق کیے بغیر صرف اس بنیاد پر فیصلہ کرنا یا بعض علماء کا فتویٰ دینا کہ نوجوان لڑکی ولایت کی محتاج نہیں ہے اس لیے یہ نکاح جائز ہے، قرآن واحادیث کی رو سے اور صحابہ کرام اور جمہور علماء وفقہاء کے مسلک کی روشنی میں بالکل غلط ہے۔ عدالتیں اگر قرآن وحدیث کو اپنا حَکم مانتی ہیں تو وہ ایسا فیصلہ دینے کی مجاز نہیں

ہیں اور علماء بھی اگر ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ [النساء: ۵۹] ''اگر تمھارے درمیان کسی چیز کی بابت جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔'' پر صدق دل سے عمل کرنا چاہتے ہیں تو انھیں بھی مذکورہ نکاحوں کے جواز کا فتویٰ دینے سے گریز کرنا چاہیے کیوں کہ ولی کی اجازت کے بغیر کوئی نکاح صحیح نہیں ہے۔ اگر ولی جابر (جبر وظلم کرنے والا) یا عاضل (غیر مشفق اور بدخواہ) ہوگا تو ولیِ اَبعد (دُور کا ولی) یا عدالت نکاح کرائے گی۔ لیکن کسی بالغ لڑکی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بھاگ کر یا چھپ کر اپنا نکاح خود کرلے۔

یہ مسئلہ ولایت نکاح کے مختلف پہلو ہیں جن کو موجودہ حالات میں ان کی اہمیت کے پیش نظر قدرے تفصیل سے پیش کیا۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں'' (مطبوعہ دارالسلام)

نکاحِ شغار (وٹے سٹے کی شادی):

اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں باہم رشتوں کا ایک طریقہ یہ بھی رائج تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا کہ میں اپنی لڑکی یا بہن کا رشتہ تمھارے بیٹے کو اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ میرے بیٹے کے ساتھ کردو، نیز اس باہمی رشتے ہی کو حق مہر بھی سمجھ لیا جاتا تھا اور فریقین حق مہر نہیں دیتے تھے۔

ادلے بدلے کا یہ نکاح، جس کو عربی میں شغار اور ہمارے ہاں وٹے سٹے کا نکاح کہا جاتا ہے، اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((لا شغار في الإسلام.))

''اسلام میں شغار نہیں ہے۔''

دوسری روایت میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

"إن رسول الله ﷺ نهى عن الشغار."

''رسول اللہ ﷺ نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا ہے۔''

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ۱۴۱۵)

شغار کی تعریف بھی احادیث میں منقول ہے:

"والشغار أن يزوج الرجل ابنته على أن يزوجه الآخر ابنته ليس بينهما صداق."

''شغار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کرے اور ان کے درمیان حق مہر نہ ہو۔''

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۵۱۱۲)

اس میں چار باتیں قابل غور ہیں:

۱: ایک یہ کہ شغار کی یہ تعریف جو راویانِ حدیث نے حدیث کے ساتھ ہی بیان کی ہے، خود رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمودہ ہے یا راویانِ حدیث کی؟

۲: دوسری یہ کہ اس تعریف کی رو سے وہ نکاحِ شغار تو یقیناً صحیح نہیں ہوگا جس میں حق مہر نہیں ہوگا، لیکن کیا باہم تبادلہ نکاح کی وہ صورت بھی ناجائز ہی قرار پائے گی جس میں حق مہر ہوگا؟

۳: تیسری یہ کہ ایسا نکاح صحیح قرار پائے گا یا یکسر حرام اور باطل؟

۴: چوتھی یہ کہ اگر بغیر کسی شرط کے دو بھائی یا بہن بھائی آپس میں اپنے بچے بچیوں کی شادیاں حق مہر کے ساتھ کرلیتے ہیں یا اتفاقی طور پر اس طرح باہم تبادلہ نکاح ہو جاتا ہے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

ان چاروں باتوں کی وضاحت مختصراً حسب ذیل ہے:

۱: شغار کی اس تعریف میں محدثین کا اختلاف ہے کہ یہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے یا کسی صحابی یا کسی اور راوی کی بیان کردہ ہے۔

بعض کے نزدیک یہ مرفوعاً ثابت نہیں، یعنی یہ کسی راوی یا کسی صحابی کی بیان کردہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ بعض ضعیف روایات کی رو سے مرفوعاً، یعنی نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ جیسے علامہ شمس الحق ڈیانوی نے عون المعبود میں تلخیص الحبیر سے بحوالہ طبرانی لکھا ہے کہ صحابہ نے نبی ﷺ سے شغار کی بابت پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ تو

آپ ﷺ نے فرمایا:

((نكاح المرأة بالمرأة لا صداق بينهما .))

''عورت کا عورت کے بدلے نکاح کرنا، دونوں کے درمیان مہر بھی نہ ہو۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ طبرانی کی یہ روایت نقل کرکے لکھتے ہیں:

"وإسناده وإن كان ضعيفا لكنه يستأنس به في هذا المقام." (عون المعبود: ۲/ ۱۸۷ طبع قدیم)

''اس کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس مقام پر اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔''

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور بھی بعض مرفوع روایات نقل کی ہیں جن میں ''شغار'' کی تعریف بھی شامل ہے۔

(فتح الباري: ۹/ ۲۰۴)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں امام قرطبی کا قول نقل کرتے ہیں:

"تفسير الشغار صحيح موافق لما ذكره أهل اللغة، فإن كان مرفوعاً فهو المقصود، وإن كان من قول الصحابي فمقبول أيضا لأنه أعلم بالمقال وأقعد بالحال."

''شغار کی جو تعریف منقول ہے وہ صحیح ہے اور اہل لغت کی بیان کردہ تعریف کے موافق ہے۔ اگر وہ مرفوع (نبی ﷺ کی فرمودہ) ہے تو یہ تو اصل مقصود ہے اور اگر یہ قولِ صحابی ہے تب بھی مقبول ہے، اس لیے کہ وہ نبی ﷺ کے فرمان کے پس منظر کو سب سے زیادہ جاننے والا اور حالات سے سب سے زیادہ واقف ہے۔''

۲: شغار کی یہ تعریف، قطع نظر اس کے کہ یہ مرفوع ہے یا موقوف، جب صحیح ہے تو اس میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: ایک یہ کہ باہم ایک دوسری کی بیٹی یا بہن سے نکاح کی شرط ہو، دوسری یہ کہ حق مہر کی نفی ہو، یعنی نکاح ہی کو حق مہر کا متبادل قرار دیا گیا ہو۔

ایسا نکاح یقیناً حرام اور باطل ہوگا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر بغیر کسی شرط کے دو بھائی آپس میں اپنی اپنی بیٹیوں کا نکاح اپنے اپنے بیٹوں سے کرتے ہیں یا دونوں نکاح حق مہر کے ساتھ ہوتے ہیں تو نکاح کی یہ دونوں صورتیں جائز اور شغار کی تعریف سے خارج ہوں گی۔

عہد صحابہ کا ایک واقعہ سنن ابی داود اور مسند احمد میں ہے کہ عباس بن عبداللہ بن عباس نے عبدالرحمٰن بن حکم سے اپنی بیٹی کا اور عبدالرحمٰن نے اپنی بیٹی کا نکاح عباس سے کردیا اور دونوں نے اس نکاح ہی کو حق مہر ٹھہرایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں جب یہ آیا جو اُس وقت خلیفہ (امیر المومنین) تھے تو انھوں نے اپنے گورنر حضرت مروان کو یہ حکم لکھ کر بھیجا کہ وہ اس رشتے کو ختم کرکے ان کے مابین تفریق کرا دیں۔ اپنے حکم نامے میں انھوں نے اس کی وجہ یہ لکھی کہ یہ وہی شغار ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (أبوداود، رقم الحديث: ۲۰۷۵۔ الفتح الرباني: ۱۶/ ۱۹۶)

ایک ضروری وضاحت:

ابوداود کی اس روایت کے الفاظ: "وكانا جعلا صداقا." کا ترجمہ ہم نے کیا ہے:

''اور دونوں نے اس نکاح ہی کو حق مہر ٹھہرایا۔''

یہ ترجمہ شارحینِ حدیث کے اس مفہوم کے مطابق ہے جو انھوں نے مذکورہ عبارت کا بیان کیا ہے جیسے عون المعبود میں اس کی شرح بایں الفاظ کی گئی ہے:

"مفعول جعلا الأول محذوف، أي كانا جعلا إنكاح كل واحد منهما الآخر ابنته صداقا."

(عون المعبود: ۲/ ۱۸۷، طبع قدیم)

''جعلا کا پہلا مفعول محذوف ہے، یعنی دونوں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح ایک دوسرے کے ساتھ کرنے کو حق مہر ٹھہرایا۔''

اور مسند احمد کے مبوّب اور شارح احمد عبدالرحمٰن الساعاتی فرماتے ہیں:

"أي جعلا بضع كل واحدة منهما صداقا للأخرى، وإلا لما أمر معاوية بالتفريق بينهما، والله أعلم."

(الفتح الرباني: ١٦/ ١٩٦)

"یعنی لڑکیوں کے دونوں اولیاء نے دونوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کی شرم گاہ کو دوسری کی شرم گاہ کے لیے حق مہر بنا دیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت معاویہ ان کے درمیان تفریق کا حکم نہ دیتے۔"

علاوہ ازیں یہ روایت صحیح ابن حبان میں بھی ہے اور اس میں جعلا کا مفعول اوّل محذوف نہیں ہے بلکہ لفظاً موجود ہے، چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

"وقد كانا جعلاه صداقا." (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، رقم الحديث: ١٢٦٨)

"دونوں نے آپس کے اس نکاح ہی کو حق مہر ٹھہرایا تھا۔"

شارحین کی وضاحت اور خود روایت کے دوسرے طرق سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکمِ تفریق کی وجہ مشروط نکاح ہی کو حق مہر قرار دینا تھا، نہ کہ حق مہر مقرر کرنے کے باوجود محض تبادلۂ نکاح۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نکاحِ شغار وہی ہوگا جو حق مہر کے بغیر مشروط نکاح ہوگا۔ اور یہ حرام اور ممنوع ہے۔ لیکن جس نکاح میں حق مہر ہوگا، وہ مشروط ہونے کے باوجود جائز ہوگا۔

بعض اہل علم کانا جعلا صداقا کا ترجمہ کرتے ہیں کہ دونوں (اولیاء) نے حق مہر بھی رکھا تھا۔ اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تفریق کرانے کا حکم فرمایا۔ اور اس طرح وہ اس موقف کا اثبات کرتے ہیں کہ مشروط نکاح دونوں صورتوں میں شغار ہے، حق مہر ہو تب بھی اور نہ ہو تب بھی۔ لیکن مذکورہ وضاحت کی روشنی میں یہ موقف صحیح معلوم نہیں ہوتا، واللہ اعلم۔

۳: تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ایسا مشروط اور حق مہر کے بغیر نکاح صحیح ہوگا یا باطل؟

جہاں تک اس کے ممنوع ہونے کا تعلق ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ نہی (ممانعت) نکاح کے بطلان کی متقاضی ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم) اور دیگر بہت سے ائمہ ومحدثین کے نزدیک یہ نہی اسی طرح بطلانِ نکاح کی متقاضی ہے جس طرح نکاحِ متعہ کی یا بیوی کی پھوپھی اور خالہ سے نکاح کی ممانعت بطلانِ نکاح کی متقاضی ہے، یعنی یہ سارے نکاح ممنوع اور حرام ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسے نکاح کرے گا تو وہ باطل ہوں گے، منعقد ہی نہیں ہوں گے اور ان کے درمیان فی الفور تفریق کرا دی جائے گی (البتہ ایسی صورتوں میں اگر ان کے درمیان میاں بیوی والا تعلق قائم ہو چکا ہوگا تو حق مہر عورت کو دلوایا جائے گا) اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاحِ شغار جائز ہوگا (اس کو برقرار رکھا جائے گا۔) اور دونوں لڑکیوں کو مہر مثل دلوایا جائے گا۔ (عون المعبود، شرح السنة وفتح الباري وغيرها من شروح الحديث)

ظاہر بات ہے کہ دلائل کی رو سے جمہور علماء ومحدثین ہی کی رائے راجح اور صحیح ہے۔ نکاحِ شغار حرام ہے، اگر کوئی کرے گا تو وہ باطل ہے، وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

۴: چوتھا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ حق مہر کے ساتھ مشروط نکاح جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک یہ جائز ہے اور یہ ممنوعہ شغار میں نہیں آئے گا جیسا کہ اس کی تفصیل دوسرے نکتے کے ضمن میں آ چکی ہے، البتہ اس کی دو صورتیں ہیں:

۱: ایک یہ کہ بغیر شرط کے اتفاقی طور پر باہم تبادلۂ نکاح کیا جاتا ہے۔ یہ بالاتفاق جائز ہے۔

۲: دوسری صورت یہ ہے کہ حق مہر کے ساتھ مشروط نکاح کیا جائے۔ ہمارے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور یہ ممنوع وٹے سٹے (شغار) میں نہیں آتا۔ لیکن بعض علماء اس کو بھی اس لیے ناجائز کہتے ہیں

کہ اس میں بھی وٹے سٹے والے خطرات موجود رہتے ہیں۔
جہاں تک ان خدشات کا تعلق ہے جو وٹے سٹے کے نکاح میں پائے جاتے ہیں، بلاشبہ دونوں صورتوں میں ان کا امکان ہے اور ہمارے معاشرے میں ان کی مثالیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں لیکن اس میں دو پہلو قابل غور ہیں:

۱: نکاحِ شغار کی حرمت کی اصل وجہ (علت) کیا ہے؟

۲: بیٹیوں یا بہنوں کے تبادلے والے نکاح (وٹے سٹے) میں ایک فریق کے عدمِ نباہ کی صورت میں دوسرا فریق بلاوجہ اپنا گھر اُجاڑ لیتا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ اور دوسرا فریق، جب کہ وہاں دونوں میاں بیوی نہایت ہنسی خوشی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں، خواہ مخواہ اپنے پیروں پر کیوں کلہاڑی مار لیتا ہے؟

۱: ہمارے نزدیک نکاحِ شغار کی حرمت کی اصل وجہ (علت) دونوں لڑکیوں کو مہر سے محروم کرنا ہے اور یہ زمانۂ جاہلیت کی اُن رسوماتِ جاہلیہ میں سے ہے جو اس معاشرے میں عورت کو اس کے حقوق سے محروم رکھنے کے سلسلے میں روا رکھی جاتی تھیں حتی کہ عورت کا ولی اور سرپرست عورت کے ذاتی مال میں بھی جس طرح چاہتا تھا تصرف کرتا اور عورت جائداد کی مالک ہونے کے باوجود بے بس ہوتی تھی۔

اسلام نے عورت کو جہاں اور بہت سے حقوق دیے اور اس کی عزت واحترام کو بالا کیا، وہاں عورت کی اس بے توقیری کو بھی ختم کیا کہ وہ اپنے مال میں اپنی حسب خواہش تصرف کا اختیار نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں اس سے استمتاع کے عوض اس کے لیے مہر مقرر فرمایا اور اس کو اس کا حق قرار دیا، حتی کہ فاسد اور باطل نکاح کی صورت میں بھی اگر مرد اس سے فائدہ اٹھا چکا ہو تو فوری علیحدگی کے باوجود اس کو حق مہر کی ادائیگی کا حکم دیا۔

نکاحِ شغار میں چونکہ عورت کو اس کے حق مہر سے محروم کر دیا جاتا تھا، اس لیے اسلام نے اس نکاحِ شغار کو یکسر ناجائز قرار دے دیا۔ بنا بریں جس نکاح میں عورت کا یہ حق موجود رہے گا وہ نکاح باہم نکاح کی شرط کے باوجود جائز ہوگا کیوں کہ اس صورت میں حرمت کی علت باقی نہیں رہتی اور علت کے معدوم ہونے سے معلول بھی معدوم ہو جائے گا۔

۲: جہاں تک ہمارے ہاں رائج وٹے سٹے کی شادیوں میں فساد اور بگاڑ کا اندیشہ ہے، اس سے بالکلیہ انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن اس کو نہ ایک کلیے کی حیثیت دی جاسکتی ہے کہ اس قسم کی ساری شادیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور نہ باہمی شرط کو اس کی وجہ (علت) قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس کو بنیاد بنا کر عدم جواز کا فتویٰ دے دیا جائے۔ بلکہ یہ ساری خرابی جہالت اور اخلاق وکردار کے زوال کا شاخسانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں یہ جہالت کارفرما نہیں ہوتی اور وہ خاندان یا افراد اخلاق وکردار کی رفعتوں سے بھی ہم کنار ہوتے ہیں۔ وہاں بلاوجہ یوں ہی نہلے پر دہلا نہیں مارا جاتا اور ایک کی کوتاہی کی وجہ سے دوسرا شخص اپنا گھر نہیں اُجاڑتا، حتی کہ اس کو شیطان صفت لوگ ایسا کرنے پر اُکسائیں بھی تو وہ یہ کہتا ہوا معذرت کر لیتا ہے: ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ یا ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

اخلاق وکردار کا بحران اس وقت ہمارے معاشرے میں ایک نہایت خوف ناک صورت میں موجود ہے جس کی وجہ سے معمول کی بہت سی شادیاں بھی ناکام ہو رہی ہیں اور طلاق کی شرح روز افزوں ہے۔ کہیں ساس بہو کا جھگڑا اس کی وجہ ہے، کہیں نندوں اور بھاوج کا اختلاف، کہیں عورت کی بدمزاجی وبداخلاقی ہے اور کہیں مرد کا ناجائز رویہ تو کیا اس اخلاقی بحران کی وجہ سے شادیوں کی ممانعت کا فتویٰ دے دیا جائے یا اصلاحِ احوال کی کوششیں جاری رکھی جائیں؟ ان دونوں میں کون سا راستہ شریعت کے مطابق قرار پائے گا؟

ان دونوں میں سے جو طریقہ شریعت کے مطابق قرار دیا جائے گا، مروّجہ وٹے سٹے کی شادی میں بھی وہی طریقہ شریعت کے مطابق ہوگا اور دوسرا طریقہ شریعت سے متجاوز۔

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ①

سنت اور اس کا دائرۂ کار

ڈاکٹر حافظ محمد شریف شاکر، ایسوسی ایٹ پروفیسر جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

سنت کا لغوی مفہوم:

سین اورنون مشدد میں قوت، پختگی اور متوارث عادات کا مفہوم ہوتا ہے۔سن ، سنان ، سنون ، سنة ، ان تمام الفاظ کا ایک ہی ماخذ ہے۔سِن دانت کو کہتے ہیں، سنان نیزے کے پھل کو کہا جاتا ہے، مسنون خشک کیچڑ پر بولا جاتا ہے، سنة لغت میں اس راستے کو کہا جاتا ہے جس پر متواتر چلنے کی وجہ کی سے وہ صاف اور واضح ہوگیا ہو۔اسی راستے کے مفہوم کو یہ الفاظ واضح کرتے ہیں:

"سننت لكم سنة فاتبعوها ."

(لسان العرب: ۱۳/ ۲۵۵)

''میں نے تمھارے لیے راستہ واضح کردیا،تم اس پر چلو۔''

"سنة الله أحكامه وأمره ونهيه هذه عن اللحياني ." (لسان العرب: ۱۳/ ۲۵۵)

''لحیانی'' سے منقول ہے کہ اللہ کی سنت سے مراد اُس کے احکام اور اس کے امر ونہی ہیں۔''

"سن الله سنة أي بين طريقا قديما ."

''سن الله سنة کا معنی ہے کہ اللہ نے قدیم راستہ واضح کیا۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾ أي سن الله ذلك في الذين نافقوا الأنبياء و أرجفوبهم أن يقتلوا أين ثقفوا أي وجدوا ."

(لسان العرب: ۱۳/ ۲۵۵)

یعنی اللہ نے اسے ان لوگوں میں جاری کیا جنھوں نے انبیاء سے منافقت کی اور ان کے بارے میں یہ افواہ اڑائی کہ انھیں جہاں پائیں گے قتل کردیں گے۔

سنت رسول سے مراد آپ ﷺ کا وہ طریقہ ہے جس پر آپ ﷺ گامزن رہے:

"قال الراغب: سنة النبي طريقته التي يتحراها ."

(تاج العروس من جواهر القاموس: ۹/ ۲۴۴)

''راغب کہتے ہیں کہ سنتِ نبی سے مراد آپ کا وہ طریقہ ہے جس کے آپ متلاشی ومتحری رہے۔''

"وأصل فيها الطريقة والسيرة، وإذا أطلقت في الشرع فإنما يراد بها ما أمر به النبي ﷺ ونهى عنه وندب إليه قولا وفعلا مما لم ينطق به الكتاب العزيز ولهذا يقال في أدلة الشرع الكتاب والسنة أي القرآن والحديث ."

(تاج العروس من جواهر القاموس: ۹/ ۲۴۴)

''اس کا اصل معنی طریقہ اور سیرت ہے۔جب اس کا اطلاق شرع میں کیا جائے تو اس سے مراد نبی ﷺ کے وہ اوامر و نواہی ہوتے ہیں جن کی طرف آپ قولاً اور فعلاً بلاتے ہیں جن کے بارے میں کتاب عزیز خاموش ہوتی ہے،اسی لیے دلائل شرعیہ میں کتاب وسنت،یعنی قرآن وحدیث بولا جاتا ہے۔''

بعض اہل لغت نے صرف اچھے طریقے پر سنت کا اطلاق کیا ہے:

"قال الأزهري: السنة: الطريقة المحمودة المستقيمة ." (تاج العروس من جواهر القاموس: ۹/ ۲۴۴)

''ازہری نے کہا کہ سنت سے مراد قابل تعریف سیدھا راستہ ہے۔''

اسی کی وضاحت ابن منظور یوں کرتے ہیں:

"السنة الطريقة المحمودة ولذلك قيل : فلان من أهل السنة . معناه من أهل الطريقة المستقيمة المحمودة . وهي مأخوذ من السنن وهو الطريق ." (لسان العرب : ۱۳/ ۲۲۶)

''سنت قابل تعریف طریقے کو کہا جاتا ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ فلاں اہل سنت میں سے ہے، اس کا معنی ہے کہ وہ قابل تعریف سیدھے راستے والوں میں سے ہے۔ اور یہ (لفظ سنت) سنن سے ماخوذ ہے جس کا معنی راستہ ہے۔''

اچھی اور بُری بات پر سنت کا اطلاق لغوی اعتبار سے ہوتا ہے:

"السنة: السيرة حسنة كانت أو قبيحة ."

(تاج العروس : ۹/ ۲۴۴)

''سنت سیرت اور عادات کو کہا جاتا ہے خواہ یہ عادات اچھی ہوں یا بُری۔''

چنانچہ حدیث میں اسی لغوی مفہوم کو یوں واضح کیا گیا ہے:

((من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها ، ومن سن سنة سيئة فله أجرها وأجر من عمل بها .))

(سنن الدارمي، رقم الحديث : ۵۱۸، ۵۲۰)

''جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اسے اس کا اجر ملے گا اور ان کا بھی اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے۔ اور جس نے بُرا طریقہ رائج کیا اسے اس کا بدلہ ملے گا اور ان کا بھی جو اِس (بُرے کام) پر عمل کریں گے۔''

اس حدیث میں سنت حسنہ اور سنت سیئہ کا لفظ اسی لغوی معنی کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔

اور اصطلاحی معنی کے لحاظ سے سنت حسنہ ہی ہوتی ہے اور واجب العمل ہوتی ہے حتی کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب العمل ہوتی ہے۔

بدعت کا لغوی مفہوم :

سنت کے مقابلے میں بدعت ہے۔ لغت میں اس کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:

"البدعة: الحدث وما ابتدع من الدين بعد التكميل ، قال ابن السكين : البدعة كل محدثة ." (لسان العرب)

''نئی چیز اور جو کچھ دین کی تکمیل کے بعد ایجاد کیا جائے وہ بدعت ہے۔ ابن سکین کہتے ہیں کہ ہر نئی پیدا کی ہوئی اور ایجاد کی ہوئی چیز بدعت ہے۔''

قرآن کریم میں ہے:

﴿قُلْ مَا كُنتُ بِدْعاً مِّنَ الرُّسُلِ﴾ [الأحقاف : ۹]

''آپ کہہ دیجیے کہ میں رسولوں میں کوئی نیا نہیں ہوں۔''

بدعت کا اصطلاحی مفہوم :

اصطلاح شریعت میں کوئی بدعت حسنہ نہیں ہے، باقی رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رمضان میں نماز تراویح کی باجماعت ادائیگی کو "نعمت البدعة هذه" (الموطأ للإمام مالك مع تنوير الحوالك : ۱/ ۱۰۵) کہنا تو یہ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ لغوی معنی کے لحاظ سے تھا، اور خلیفہ راشد کا ہر قول وفعل سنت کے زمرے میں آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ''یہ نئی چیز اچھی ہے'' اس لیے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پابندی کے ساتھ اس کا اہتمام نہیں فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین راتیں باجماعت قیام رمضان کیا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ہوجانے کے خطرے کے پیش نظر اسے جاری نہیں رکھا تھا بلکہ اسے ترک کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس پر جمع نہیں کیا تھا۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بدعت حسنہ کہہ دیا حالانکہ آپ خلیفہ راشد ہیں اور یہ آپ کی سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کی سنت اختیار کرنے کا پُرزور الفاظ میں حکم فرمایا:

((عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين

المھديين، عضوا عليها بالنواجذ، وإياكم والأمور المحدثات فإن كل بدعة ضلالة.))

(سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ٤٢)

''میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم پکڑو، اسے داڑھوں کے نیچے دبا لو اور خود کو نئے پیدا کیے ہوئے امور سے بچاؤ کیوں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا مزید ارشاد گرامی ہے:

((کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة.))

(سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ٤٦)

''ہر ایجاد کردہ کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

لہٰذا ضلالت اور گمراہی حسنہ کیسے ہوسکتی ہے؟ جب کہ حدیثِ بالا کے لحاظ سے خلیفہ راشد کا قول وفعل بدعت نہیں ہوتا بلکہ اسے سنت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

سنت کا اصطلاحی مفہوم:

علمائے اُصول سنت کی تعریف اور اس کا اصطلاحی مفہوم ملتے جلتے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

۱: مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ شارع کی زبان میں آنحضرت ﷺ کے قول وفعل، خاموشی اور اجتہادِ نبوی سب سنت میں داخل ہیں۔ معتزلہ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق اجتہاد واستنباط کا انکار کیا ہے لیکن ائمہ سنت انبیاء کے لیے اجتہاد کو جائز سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اصلاح نہ فرمائی جائے تو یہ بھی سنت میں شامل ہے۔ (حجیت حدیث از مولانا اسماعیل سلفی، ص:۱۸)

۲: ''التوضيح'' میں سنت کی تعریف یوں ذکر کی گئی ہے:

"السنة وهي تطلق على قول الرسول عليه السلام وعلى فعله والحديث مختص بقوله." (التوضيح مع التلويح، ص: ٤٦١)

''سنت کا اطلاق رسول علیہ السلام کے قول وفعل پر ہوتا ہے اور حدیث آپ کے قول کے ساتھ مخصوص ہے۔''

۳: ''مسلم الثبوت'' میں سنت کی تعریف اس طرح مذکور ہے:

"ماصدر عن الرسول غير القرآن من قول أو فعل أو تقرير." (مسلم الثبوت بذيل المستصفىٰ للغزالي: ٩٧/٢)

''رسول ﷺ سے قرآن کے سوا صادر ہونے والے قول، فعل یا تقریر کو سنت کہا جاتا ہے۔''

۴: ''توجيه النظر'' میں سنت کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"أما السنة فتطلق في الأكثر على ما أضيف إلى النبي عليه الصلاة والسلام من قول أو فعل أو تقرير فهي مرادفة للحديث عند علماء الأصول." (توجيه النظر إلى أصول الأثر، ص: ٣)

''عام طور پر سنت کا اطلاق نبی علیہ السلام کی طرف منسوب قول، فعل اور تقریر پر کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ علمائے اصول کے ہاں حدیث کی مترادف ہے۔''

۵: ''الموافقات'' میں سنت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"يطلق لفظ السنة على ما جاء منقولا عن النبي ﷺ على الخصوص مما لم ينص عليه في الكتاب العزيز." (الموافقات في أصول الشريعة: ٣/٣)

''لفظ سنت کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جو نبی ﷺ سے نقل ہوکر آئے، خصوصاً قرآن عزیز میں مذکور منصوصات کے ماسوا پر اِس کا اطلاق ہوتا ہے۔''

۶: ''نزهة الخاطر العاطر'' میں سنت کی تعریف یوں مندرج ہے:

"السنة شرعاً ما نقل عن رسول الله ﷺ قولاً أو فعلًا أو إقرارا على فعل." (نزهة الخاطر العاطر شرح روضة الناظر وجنة المناظر: ١٩٦/١)

''رسول اللہ ﷺ سے منقول قول، فعل یا اقرارِ فعل کو شرعاً سنت کہا جاتا ہے۔''

۷: حافظ ابن حزم نے سنت کی تعریف یوں کی ہے:

"السنن تنقسم إلى ثلاثة أقسام: قول من النبي ﷺ وفعل منه عليه السلام أو شيء رآه وعلمه فأقر عليه ولم ينكره." (الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم: ۲/۶)

"سنن کی تین اقسام ہیں: نبی ﷺ کا قول یا آپ علیہ السلام کا فعل یا وہ چیز جسے آپ نے (کسی شخص کو کرتے) دیکھا اور اس کا آپ کو علم ہوا تو آپ نے اسے برقرار رکھا اور اس کا انکار نہیں کیا۔"

۸: "إرشاد الفحول" میں سنت کی تعریف اس طرح مذکور ہے:

"ما صدر عن النبی ﷺ من غير القرآن من قول أو فعل أو تقرير." (إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول، ص: ۲۹)

"قرآن کے علاوہ جو قول یا فعل یا تقریر نبی ﷺ سے صادر ہو (اسے سنت کہا جاتا ہے۔)"

۹: یہ تعریف "حصول المأمول" میں اسی طرح درج کی گئی ہے۔

(حصول المأمول من علم الأصول، ص: ۳۸)

۱۰: حافظ ابن حجر نے سنت کی یہ تعریف کی ہے:

"السنة ما جاء عن النبی ﷺ من أقواله وأفعاله وتقريره." (فتح الباري: ۱۳/ ۲۴۵)

سنت کے لیے قرآن کی مختلف تعبیریں

جس طرح رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریرات وہیئات پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح ان پر حدیث کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

ا۔ حدیث کا لغوی مفہوم:

حدیث کے معانی جدید کے آتے ہیں اور اس کی خلافِ قیاس جمع احادیث آتی ہے۔ (لسان العرب: ۲/ ۴۳۸)

حدیث قدیم کا متضاد ہے۔ (لسان العرب: ۲/ ۴۳۶)

اور انسان جو کچھ کلام کرتا ہے اسے حدیث کہا جاتا ہے۔

(المعجم الوسیط: ۱/ ۱۶۰)

حدیث بمعنی کلام کی تائید مندرجہ ذیل آیات سے ہوتی ہے:

﴿إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ أَسَفًا﴾ [الکهف: ٦]

میں حدیث سے مراد قرآن ہے۔

(المعجم الوسیط: ۱/ ۱۶۰)

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ﴾ [الزمر: ۲۳]

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ [النساء: ۸۷]

یہاں بھی دونوں آیتوں میں حدیث سے مراد قرآن ہے۔

حدیث کا اصطلاحی مفہوم:

"المراد بالحديث في عرف الشرع ما يضاف إلى النبي ﷺ وكأنه أريد به مقابلة القران بأنه قديم." (تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي: ۱/ ۴۲)

"شرعی اصطلاح میں حدیث سے مراد وہ (اقوال واعمال اور تقاریر) ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوں، گویا اس سے مراد قرآن کا مقابل ہے کیوں کہ یہ (قرآن) قدیم ہے۔"

سنت اور حدیث مترادف ہیں: حدیث و سنت کی مندرجہ بالا اصطلاحی تعریف سے معلوم ہوا کہ دونوں مترادف ہیں۔

۲۔ خبر کا لغوی مفہوم:

"الخبر" نبأ کو اور "الخِبار" (بالکسر) غبار کو کہا جاتا ہے۔

(تاج العروس: ۳/ ۱۶۶، ۱۶۷)

"الخبار من الأرض ما لان و استرخىٰ."

یعنی خِبار نرم زمین کے لیے بولا جاتا ہے۔

(لسان العرب: ۵/ ۳۰۹)

خبر کا اصطلاحی مفہوم:

خبر کی اصطلاحی تعریف میں تین قسم کے اقوال ہیں:

ا: یہ حدیث کی مترادف ہے۔

۲: یہ حدیث کے مغائر ہے؛ جو نبی ﷺ سے آئے وہ حدیث اور جو غیر نبی سے آئے وہ خبر ہے۔

۳: خبر حدیث سے عام ہے، یعنی حدیث وہ ہے جو نبی ﷺ سے آئے اور خبر وہ ہے جو نبی ﷺ سے آئے یا آپ ﷺ کے غیر سے آئے۔ انھی اقسام کی توضیح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"الخبر عند علماء هذا الفن مرادف للحديث. وقيل: الحديث ما جاء عن النبي صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم، والخبر ما جاء عن غيره. ومن ثم قيل لمن يشغل بالتاريخ وما شاكلها: الأخباري، ولمن يشغل بالسنة النبوية: المحدث. وقيل بينهما عموم و خصوص مطلقاً، فكل حديث خبر من غير عكس."

(نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر، ص: ٨)

''علمائے حدیث کے ہاں خبر اور حدیث مترادف ہیں، البتہ بعض کا قول ہے کہ جو نبی ﷺ سے مروی ہو وہ حدیث اور جو غیر سے مروی ہو وہ خبر ہے۔ اس (فرق) کے سبب مورّخ کو اخباری اور سنت نبویہ کے ساتھ مشغول رہنے والے کو محدث کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے، لہٰذا ہر حدیث کو خبر کہا جا سکتا ہے لیکن ہر خبر کو حدیث نہیں کہہ سکتے۔''

خبرِ رسول ﷺ اور حدیث مترادف ہیں: مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوا کہ جو خبر نبی ﷺ کی طرف منسوب ہو وہ کلی طور پر سنت اور حدیث کے مترادف ہے۔

۳۔ اثر کا لغوی مفہوم:

"الأثر" کسی چیز کے بقیہ اور نشان کو کہا جاتا ہے۔

(تاج العروس: ٤/٤)

﴿فَانْظُرْ اِلٰی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ﴾ [الروم: ٥٠]

اور

﴿اِئْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ [الأحقاف: ٤] میں "أثر" اسی معنی میں آیا ہے۔

اثر کا اصطلاحی مفہوم:

اس کے اصطلاحی معنی کے بارے میں دو قول ہیں:

ا: یہ حدیث کے مترادف ہے، یعنی حدیث اور اثر ہم معنی ہیں۔ اور اثر سے مراد حدیث ہے خاص کر جب اثرِ رسول کہا جائے تو اس سے مراد حدیثِ رسول ہے۔

۲: صحابی یا تابعی کی طرف منسوب قول و فعل کو ''اثر'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس طرح اثر، حدیث کا مغائر ہوا۔

(تیسیر مصطلح الحدیث، ص: ١٥)

حدیث، خبر اور اثر مترادف ہیں:

یہ تینوں الفاظ محدثین کے ہاں نبی ﷺ کی طرف منسوب قول، فعل تقریر اور وصف کے معنی میں مترادف ہیں، جب کہ فقہائے خراسان موقوف کو اثر اور مرفوع کو خبر کا نام دیتے ہیں۔ اکثر مصنّفین نے اس فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔ (قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، ص: ٦١)



اظہارِ تشکر

ہم ان سب احباب جماعت، سیاسی وسماجی شخصیات اور عزیز و اقارب کے شکر گزار ہیں کہ جنھوں نے ہمارے والد گرامی مولانا حافظ محمد یوسف (کھائی ہٹھاڑ) قصور کی وفات پر اظہار تعزیت کیا۔ ان کے جنازے میں شریک ہوئے اور ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ اللہ کریم سب احباب کو جزائے خیر سے نوازے، آمین۔

(حافظ محمد عباس وبرادران)

پیارے ماہِ صیام

تیری سانسیں تنزیلِ آیات کی ہیں مشہود
تیرے ہی ایام میں اُترا رب صمد کا کلام

پیارے ماہِ صیام

نور و خیر سے تیری گھڑیوں کی ٹھہری تشکیل
رحمت کی برسات ہے گویا تیری صبح و شام

پیارے ماہِ صیام

حشر کے تپتے دن میں ہوگا تیرا ساتھ شفا
تُو ہر صائم کے حق میں چین، سکون، آرام

پیارے ماہِ صیام

تیرے دوش پہ سجتی دیکھوں برکت کی بارات
بخشش کے نغمات سنائیں تیرے حسیں ایام

پیارے ماہِ صیام

تیرے باعث فکر و عمل کی تطہیر و تنظیم
پیکر خاکی کو بخشے تو تہذیبِ اسلام

پیارے ماہِ صیام

قدر کی شانِ جلالت تیرے ساتھ ہوئی مخصوص
تیری لیلِ قدر کی شال پہ لکھا رب نے سلام

پیارے ماہِ صیام

تیرا حق کہ خوب کروں میں اللہ کی تکبیر
صبر و شکر کا دل کی دنیا کو پہنا اِحرام

پیارے ماہِ صیام

جو مسرور ہو تجھ کو پا کر وہ ہے روح سعید
ایسی ہی مخلص روح کی خاطر رب کا عفو ہے عام

پیارے ماہِ صیام

(ام عبد منیب)